20
محبتِ رسول ﷺ رُوحِ ایمان
حدیث لا یومن احدکم۔۔۔الخ کی فاضلانہ تشریح
شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
GIM
گلوبل اسلامک مشن
اٹک
نیویارک یو ایس اے
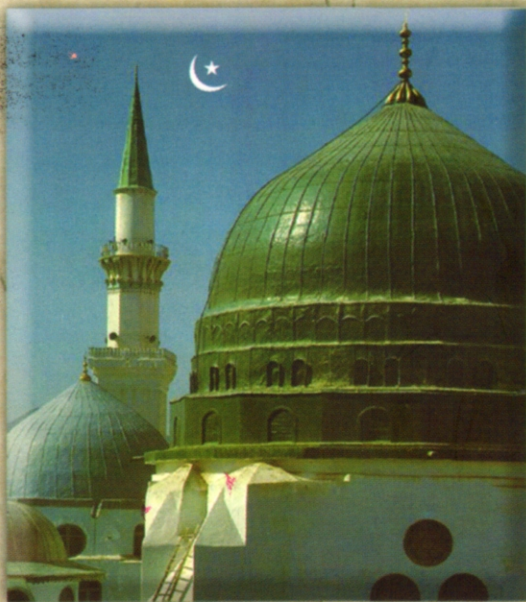
سلسلۂ اشاعت۔۔۔۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبت رسول روحِ ایمان

(حدیث لا یومن احدکم.... الخ کی فاضلانہ تشریح)

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

جانشینِ حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ

گلوبل اسلامک مشن، انک

نیویارک، یو ایس اے

نام کتاب: 'دین کامل'

مصنف: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی، مدظلہ

تزئین کار: منصور احمد اشرفی

اشاعتِ اوّل: ۱۹۸۶ء محدثِ اعظم پبلیکیشنز، احمد اباد، انڈیا

اشاعتِ دوم: ۲۰۰۳ء گلوبل اسلامک مشن، انک (۴۰۰۰)

اشاعت سوم: دسمبر ۲۰۰۷ء بمطابق ذوالحجۃ ۱۴۲۸ھ

ناشر: گلوبل اسلامک مشن، انک

نیویارک، یوایس اے

Published By:

Global Islamic Mission, INC.
P.O. Box 100
Wingdale, NY 12594
U.S.A.
www.globalislamicmission.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’عرضِ ناشر‘

الحمدُ لِلّٰہ! حضور شیخ الاسلام نے اجازت مرحمت فرمائی، تو اس سال کے شروع میں ہندوستان کی سرزمین کا پہلی مرتبہ سفر نصیب ہوا۔ چند دن احمد آباد میں حضرت کی خدمت میں گذارنے کا موقعہ ملا اور پھر اجمیر شریف، دلّی، بریلی شریف اور کچھوچھہ شریف کے آستانوں پر حاضری نصیب ہوئی۔

احمد آباد ہی میں قیام کے دوران زیرِ نظر کتاب ’محبت رسول ﷺ روحِ ایمان‘ موصول ہوئی۔۔۔مطالعہ کے دوران خواہش ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام سے اجازت لیکر ہم اپنے ادارہ ,گلوبل اسلامک مشن کی جانب سے نہ صرف کتابِ مذکور بلکہ حضورِ والا کی دیگر مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب ورسائل کو شائع کریں تاکہ پاکستان اور امریکہ سمیت دیگر ممالک میں مقیم احباب اور وابستگانِ سلسلہ نیز دوسرے مسلمان بھی مستفید ہوسکیں۔صد شکر، کہ حضرت نے اجازت مرحمت فرمادی۔ پروردگارِ عالم کے کرم اور حضرت کی دعاؤں سے یہ کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سے پہلے یہ کتاب جناب سیف خالد اشرفی صاحب، ڈائریکٹر شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگلپور، بہار، انڈیا کی جدوجہد سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔ اُس ایڈیشن میں ’پیش لفظ‘ کے تحت موصوف فرماتے ہیں کہ ’حضور شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ’مشکوٰۃ شریف‘ کی مفصل شرح تحریر فرمانے کا آغاز کیا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۰ء میں شروع ہوا اور ماہنامہ ’المیزان‘، کچھوچھہ شریف میں بعنوان ’تفہیم الحدیث‘ ہر ماہ پابندی کے ساتھ چھپنے لگا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ’المیزان‘ نکلتا رہا۔’المیزان‘ کے بند ہونے کے بعد شرح لکھنے کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔ تاہم ’المیزان‘ کے مختلف شماروں سے علیحدہ کرکے ’تفہیم الحدیث‘ کا جو مواد میں نے اکھٹا کیا ہے وہ ساٹھ سے زیادہ احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔۔۔انہیں میں سے ایک ’حدیثِ محبت‘ ہے۔ یہ شرح

'المیزان' کچھوچھہ شریف، شمارہ دسمبر۲۷ءتا ستمبر۳۷ء پر پھیلی ہوئی ہے جواب ایک مکمل کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے'۔

ادارہ گلوبل اسلامک مشن، جس نے دینِ اسلام کا علم مسلموں اور غیر مسلموں تک پہونچانے کا عزم کیا ہے، کا قیام چھ سال قبل نیویارک، یوایس اے میں عمل میں آیا۔ جس کے عزائم میں علمائے حق، یعنی علمائے اہلسنّت وجماعت کی وہ تصانیف، جو موجودہ ماحول میں مسلک وملّت کی ترویج کیلئے مناسب ہوں، شائع کرنا اور مطبوعہ کتابوں کو پھیلانا شامل ہے۔ تاکہ عامۃ المسلمین، بالخصوص اہالیانِ امریکہ دینِ متین کی حقیقتوں سے آگاہ ہوسکیں۔

اسے پروردگارِ عالم کا بے پایاں کرم ہی کہا جائے گا کہ حضرت شیخ الاسلام کی اجازت سے ہم نے حضور محدِث اعظمِ ہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہءقرآنِ کریم 'معارف القرآن' جو اردو تراجم میں 'ستاروں کے درمیان چاند' کی حیثیت رکھتا ہے طبع کروا کر ہندوستان، پاکستان، برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا میں تقسیم کا شرف حاصل کیا۔

ہم زیرِ نظر کتاب اور اردو ترجمہءقرآن 'معارف القرآن' کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ 'محاسنِ معارف القرآن' کے نام سے ایک مستقل کتاب، محدّثِ اعظمِ ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال تفسیرِ قرآن، شیخ الاسلام مدظلہ کی دیگر تصانیف ومقالات، نیز آپ کے ایمان افروز خطبات کتابی شکل میں، اور معارف القرآن کا جدید اور آسان انگلش ترجمہ بہت جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔

ادارہ حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، الجیلانی مدظلہ کا بیحد مشکور ہے کہ حضورِ والا نے اپنی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر دینِ متین کی خدمت کا ہمیں زرّیں موقع عطا فرمایا۔ جناب سیف خالد اشرفی صاحب بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں سے زیرِ نظر کتاب اور حضرت شیخ الاسلام کی دیگر تصنیفات زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں اور اب ہمیں اُن پر مزید کام کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان میں مقیم، لائقِ صد احترام علمائے حق یعنی علمائے اہلسنّت کے بھی بیحد شکر گذار ہیں جن کی توجہ، کرم فرمائیوں اور مخلصانہ مشوروں نے ہماری حوصلہ افزئی کی۔ اور قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی۔ اس خصوص میں قائد اہلسنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی، سرمایہء اہلسنّت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، خیر الاتقیاء، شیخ الحدیث حضرت علامہ نصر اللہ خاں صاحب افغانی اور نمونہء اسلاف حضرت علامہ مفتی اطہر نعیمی صاحب ادام اللہ فیوضہم شامل ہیں۔ علاوہ ازیں جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب، علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب، علامہ غلام جیلانی اشرفی صاحب، جناب علامہ رضوان احمد نقشبندی صاحب اور محترم جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب حفظہم اللہ کے بھی شکر گذار ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان تمام بزرگوں اور کرم فرماؤں کو سلامت با کرامت رکھے۔ (آمین)

دار العلوم اہلسنّت فیض الرسول، براؤن شریف، یو پی، انڈیا کے فاضل جناب سید محمد فخر الدین علوی صاحب، مقیم نیو یارک، بھی لائق تحسین ہیں کہ جنھوں نے 'پیش لفظ' تحریر فرما کر کتاب کے حسن میں اضافہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دینِ متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نور چشم منصور احمد اشرفی کیلئے ہم دعا گو ہیں کہ جنھوں نے تعلیمی اشغال کے باوجود وقت نکال کر کتاب کی ترتیب و تزئین اور دیگر مہمات میں دست و باز و بنکر ہمارے دل جیت لئے۔

اپنے بزرگوں، احباب اور قارئین سے ہم دعا کی درخواست کریں گے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کی کما حقہ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اس سے اوپر کا مضمون اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے لئے چھپا تھا۔ اب 4 سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے اس کا دوسرا ایڈیشن چھپ رہا ہے لہٰذا اس اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ کتاب جب بھی چھپی، اتفاق سے اسکا ایک اہم حصہ آخر میں چھپنے سے رہ گیا جسکا علم ہمیں پہلے نہیں تھا۔ جب ہم الاربعین الاشرفی (چالیس احادیث کی شرح کی شرح) جو قبلہ مدنی صاحب کا ایک قلمی شاہکار ہے،

کی اشاعت کی تیاریاں کر رہے تھے تو ایک اہم حصہ زیرِ نظر حدیث کی شرح کا ملا، جواب اس ایڈیشن میں شامل کیا جارہا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں ہم پر رحم فرمایا اور اس ادارے گلوبل اسلامک مشن کو بہت ہی توفیق مرحمت فرمائی کہ ہم نے اب تک 15 کتابیں شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں اپنے قارئین تک بلا ہدیہ پہنچائیں۔ جن میں حدیث نیت اور حدیث جبرائیل، الاربعین الاشرفی، دین کامل، فریضہء دعوت وتبلیغ، نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس، تفسری اشرفی (پہلا پارہ)، فتح مبین، مقالات شیخ الاسلام، درودِ تاج (قرآن وحدیث کی روشنی میں) مسئلہ قیام وسلام، تعظیم کتاب اللہ اور انگریزی کی چھوٹی چھوٹی کتابیں شامل ہیں۔

ہم ربّ العزت سے دعا گو ہیں کہ اب تک جو بھی خدمت یہ ادارہ کر چکا ہے اُسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مزید ہمیں توفیق ہو کہ ہم اس خدمت کو جاری و ساری رکھ سکیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ دینِ متین کا مسلک حقہ کی اس خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور ہماری مدد کریں تاکہ دین کا علم احسن طریقے سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکے۔ والسلام

دعا گو و دعا جو

ابوالمنصور

محمد مسعود احمد

سہروردی، اشرفی

ذوالحجۃ ۱۴۲۸ھ

December 2007

چیئرمین

گلوبل اسلامک مشن، انک

نیویارک، یو ایس اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

'پیش لفظ'

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بہ خود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

زیرِ نظر رسالہ سید المحققین، سند المتکلمین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، الجیلانی ادام اللہ فیوضہ علینا وعلیٰ سائر المسلمین (امین) کے ان رشحاتِ قلم میں سے ہے جو حضورِ والا اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود وقت نکال کر 'معارف الحدیث' کے نام سے ماہنامہ 'المیزان'، کچھوچھہ شریف، کو عنایت فرماتے رہے۔ جو ماہنامہ مذکور میں قسط وار شائع ہو کر قارئین کو نظر نواز کرتا رہا۔ مضامینِ احادیث میں حضورِ والا نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ علوم و معارف کے دریا بہادئے جس کا اعتراف آج ساری دنیا کو ہے۔ آپ کا ابرِ علم و کرم آج صرف برِ اعظم ایشیاء ہی کو نہیں بلکہ دنیا کے تمام براعظموں پر بارانِ رحمت کی شکل میں برس رہا ہے اور لوگوں کے ایمان وعقائد میں تقویت کا باعث، نیز گمراہوں کیلئے بابِ ہدایت وا کئے ہوئے ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ سید الواعظین، سلطان الکاملین، شہنشاہِ بغداد کی مقدس آل سے ہیں جن کے علم وحکمت اور فیض وبرکت کا ایک زمانہ معترف رہا ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب 'محبتِ رسول ﷺ روحِ ایمان' درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانِ مقدس 'لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ' کی ایک فاضلانہ تشریح وتوجیہ ہے جو اپنے جلو میں بے انتہاء مفید مباحث پر مشتمل ہے حضرت محقق مد ظلہ نے ان تمام مباحث پر سیر حاصل گفتگو کر کے دنیا کے اربابِ علم ودانش کو متحیر وسرگشتہ کر دیا ہے۔ پوری کتاب آپ پڑھتے چلے جائیں، کتاب نفسِ مضمون سے کہیں نہ ہٹی بلکہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ بقول علامہ اقبال ۔۔۔ مغزِ قرآں جانِ ایماں روحِ دیں
ہست حُبِّ رحمۃ للعالمین

آپ حاضرین وقارئین کو لے کر دشتِ حُبِّ رسول ﷺ میں سیّاحت، اورمیدانِ فکرو عمل میں ایمان وعقائد کو نکھار کر قومِ مسلم ہی کو نہیں بلکہ مستقبل کے مورخین کو بھی لمحہءفکر یہ عطا فرمارہے ہیں۔ بلاشبہ حضور شیخ الاسلام کی یہ تحریر مورخین کی پیشانی کا جھومر ہی نہیں بلکہ انصاف پسند محققین کیلئے خضرِطریق بھی ہے۔

زیرِ بحث حدیث میں محبت کی تعریف، اقسامِ محبت، موجباتِ محبت، مذکورہ حدیث میں مطلوبہ محبت کی تعیین وغیرہ یہ وہ بلند وبالا مضامین ہیں جن کا ہرعنوان اتنا وسیع ہے کہ اس کی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔مگر حضورِ والا کے قلم فیض رقم نے دریائے مفاہیم کو سمیٹ کر کوزے میں بند کردیا ہے۔موجودہ دور میں مختلف طبقات کی جانب سے کئے گئے سوالات کے جواب میں یہ کتاب ایک بہترین رہنما ہے کیونکہ حُبِّ رسول ﷺ ہی وہ نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو آج سارے مسلمانوں کیلئے صرف اتحاد واتفاق ہی نہیں بلکہ ان کی بقاء کی بھی ضامن ہے۔لوگوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبۂ حُبِّ رسول ﷺ، اللہ جل جلالہ کے حبیب ﷺ کے دربارِ پُر وقار میں نیازمندانہ حاضری کا منظر، ذاتِ رسول ﷺ کیلئے خودسپردگی وفدائیت، ایثاروقربانی، سرفروشی وبردباری کو دیکھا اوراسی کمند سے اسیر ہوکر بارگاہِ رسالت ﷺ میں کھنچے چلے آئے۔

آج کے مورخین کیلئے یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے مولائے کائنات نے اپنی جانِ عزیز کی پرواہ کئے بغیر بسترِ نبوت پر سوکر معیارِ عشق ومحبت کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا، صدیقِ اکبر کی وفاوں نے محبوب کے چاروں طرف نثار ہوکر غبارِ راہ کو ہمدوشِ ثریا بنادیا، عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے کوئلوں نے عزمِ نو کا مزہ دیا، بلالِ حبشی کی پشت پر لگنے والے کوڑے ان کے حوصلوں کو توانائی بخشتے رہے، وفاداروں کا ایمان جو صبر ورضا کی سنگلاخ وادیوں میں عشق ومحبت کے پھول کھلانے کے بعد اب پردیس کو اپنا وطن بنارہا تھا۔۔ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، عزیز واقارب، اموال وجائیداد۔۔سب سے کنارہ کش ہوکر جبر واستبداد کی چھاتی پر چڑھ کر صبر ورضا کی تاریخ مرتّب کررہا تھا، حریت وآزادی کی تعلیم تلواروں کے سایہ میں دے رہا تھا، پیکرِ تسلیم ورضا تختہ دار پر مسکرایا تھا؟ ان سارے سوالات کا صرف اور صرف ایک ہی

جواب ہے اور وہ ہے حُبِّ رسول ﷺ، جو کہ روحِ ایمان ہے۔

ان کے مطالعہ کے بعد ایک حقیقت اور بے نقاب ہوتی ہے کہ جس اسلام کے پاس صدیقِ اکبر کا تدبّر، فاروقِ اعظم کی دوراندیشی، عثمانِ ذوالنورین کی سخاوت اور علی مرتضیٰ کی بلند ہمتی ہو، اُس اسلام کو جور و جبر یا تیغ و تلوار کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ آخر وہ کون سی حقیقت تھی کہ جس کو شاہِ حبشہ، نجاشی کے دربار میں ابوسفیان ہزار مخالفتوں کے باوجود نہ چھپا سکے اور صداقت کا اقرار کرنا پڑا؟ عروہ بن مسعود ثقفی نے جانثاروں کے حالات کو سنا کر کفارِ مکہ کو مبہوت و ششدر کر دیا تھا؟ یہ ایک ایسی صداقت ہے جس کا اپنوں اور پرایوں سبھی نے اقرار کیا اور مان لیا کہ واقعی سیدنا محمد عربی ﷺ نے میدانِ عمل میں اُن عاشقانِ جانباز کو چھوڑا ہے جو حقیقت میں خلافتِ الٰہیہ کے اہل ہیں۔ حضور شیخ الاسلام مدظلہ اپنی تحریر و تقریر میں اسی بات کا زور دے رہے ہیں کہ لوگ دنیاوی چمک دمک سے ہٹ کر صحابہ ٔکرام، تابعینِ عظام، اور صلحائے امت کے اُسی معروف راستہ پر گامزن ہوں جس پر چل کر انھوں نے رضائے خدا ﷻ و رسول ﷺ کو حاصل کیا۔

آج مسلمانوں کی موجودہ ذِلّت و پستی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے حُبِّ رسول ﷺ کا دعویٰ تو کیا لیکن میدانِ عمل میں معیارِ محبت سے کوسوں دور نظر آئے، حالانکہ یہ وہ واضح حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جب تک عملاً حُبِّ رسول ﷺ کو اپنا حرزِ جان بنائے رکھا نشانِ منزل مقصود بنے رہے۔ غوثِ اعظم شہنشاہ بغداد و خواجہ اجمیری اور دیگر اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مادی طاقتوں سے ہمیشہ دور و نفور رہے، اُن میں سے کسی ایک کی بھی سیرت و کردار کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جذبہ ٔحُبِّ رسول ﷺ نے اُن حضرات کے سامنے کائناتِ عالم کو سرنگوں کر دیا۔ مثلاً شہاب الدّین غوری جس نے ہندوستان پر دو مرتبہ اور محمود غزنوی جس نے سترہ مرتبہ حملہ کر کے اہالیانِ ہند پر اپنی دھاک تو بٹھا دی، لیکن قلب کی تسخیر کیلئے ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ دلوں کی اقلیم پر حکومت کر سکتے۔ لیکن اُسی ہندوستان میں وہ مقدس شخصیت ہے جس کے پاس نہ تو سواری ہے اور نہ ہی توشہ، نہ نگاہوں کو خیرہ کرنے والی شمشیریں اور نہ ہی قلوب و اذہان کو لرزا دینے والے نیزے۔۔۔ سارا کا سارا

اثاثہ محبت رسول ﷺ ہے ۔۔۔جس کو لیکر آپ اجمیر میں ورود فرماتے ہیں اور نوّے لاکھ لوگوں کی پیشانیوں کو لذّتِ سجدہ سے آشنا کرتے نظر آرہے ہیں۔

حُبِّ رسول ﷺ ہی وہ تمغۂ اعزاز ہے کہ اقوامِ عالم میں مسلمان کو اسلام کہا گیا۔ آج ہم میں مساجد، مدارس، اور خانقاہوں کی کمی نہیں، علماء و دانشورانِ قوم و ملت سبھی کوشاں ہیں کہ قومِ مسلم کو اپنا کھویا ہوا وقار مل جائے، لیکن اس کے حصول کی کیا صورت ہو؟ میرے کوتاہ فہم کے مطابق اگر شمعِ حُبِّ رسول ﷺ ہمارے سینوں میں روشن ہے تو 'ماضی مستقبل کا آئینہ ہے'، کے مصداق ہم کہ سکتے ہیں کہ

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا　　　آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

تعلیمِ حُبِّ رسول ﷺ کیلئے جب ہم اساطینِ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ائمہ مجتہدین میں سیدنا امامِ اعظم، امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل اور ان کے رفقاء واحباب میں سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وحسن، حماد اور مزنی، طحاوی اور سرخسی، امام بخاری ومسلم، ترمذی ونسائی، ابوداود وابنِ ماجہ، عسقلانی وعینی، طیبی و قسطلانی، قاضی ونووی، ابن جوزی وواقدی، ابن اسحاق وابن ہشام، سہیلی وزرقانی، ابن سعد وقاضی عیاض، مولانا رومی، خواجہ حافظ، سعدی شیرازی، نظامی گنجوی، خسرو اور جامی، عطار اور سنائی غزالی اور رازی، ابوالحسن اشعری، ابوبکر باقلانی، ضحاک وقتادہ، مجاہد وبیضاوی، کسائی اور ابوالاسود، خلیل اور سیبویہ، ابن مالک اور ابن حاجب، ابن منظور اور زبیدی، طوسی اور فارابی وغیرہ۔۔ نفوسِ قدسیہ نے اپنی ساری زندگیاں حُبِّ رسول ﷺ کیلئے فرامینِ رسول ﷺ کی نشر واشاعت میں گذار دیں۔

خلفائے راشدین کے عزم وحوصلہ کا اعتراف کس دنیا نے نہیں کیا۔ فاروقِ اعظم اور مولائے کائنات کے نام سے کس کا کلیجہ نہ دہلا، خالد، سیف اللہ کی شمشیرِ خاراشگاف اور عمرو بن عاص کی تدبیر سے کون سا پتھر پانی نہیں ہوا۔ ہارون ومامون، سنجر وسلیم، ایوبی وزنگی، غزنوی و غوری، تیمور وبابر، طارق وقاسم، لودھی وخلجی، ہمایوں وجہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگزیب، حیدر وٹیپو یہ تمام کے تمام اپنی انتھک جدو جہد، اپنی ریاضتوں اور مشقتوں کو بالائے طاق رکھتے

ہوئے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ۔۔۔ ہیں کھڑے دور تک ہدیۂ دل لئے

کارواں کارواں قافلے قافلے ۔۔۔ کس لئے؟ اور کس وجہ سے؟

محض اسلئے کہ ساری دنیا پر یہ حقیقت واضح کردی جائے کہ

ہے گدائی تیرے در کی دو جہاں کی بادشاہی
بڑی کارساز نکلی تیرے عشق کی تباہی

'محبت رسول ﷺ روحِ ایمان' نے اپنے تمام تر مباحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ شخص بہت ہی خوش نصیب ہے جس کے حصہ میں جذبۂ حُبِ رسول ﷺ وافر مقدار میں آیا ہے۔ کتابِ مذکور کے بیانات کو پڑھ کر ہم اپنی روحانی بالیدگی کو استوار کر سکتے ہیں، نیز کائناتِ عالم سے یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہوں گے

دیوانگانِ عشق محمد ﷺ کو دیکھ کر — کترا گئی ہے گردشِ دوراں کبھی کبھی
گردن میں ہاتھ ڈالے تھے ماہ و نجوم نے — گذرا تھا ان حدوں سے مسلماں کبھی کبھی

فقیر
ابوالفضل
سید محمد فخر الدین علوی
۱۵ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ
December 20, 2002،

مقیم نیویارک
فاضل، دارالعلوم فیض الرسول،
براؤن شریف، یوپی، انڈیا

عَنْ اَنَسٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

(متفق علیه)

'حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'۔

(بخاری و مسلم)

جواھر پارے

(۱) مومنِ کامل کے ایمان کی نشانی اور پہچان یہ ہے کہ اس مومن کے نزدیک رسولِ خدا ﷺ تمام چیزوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و معظم ہوں گے۔۔۔خواہ وہ باپ یا بیٹے ہوں جن سے طبعاً محبت ہوتی ہے۔۔۔یا۔۔۔وہ دوسرے لوگ ہوں جن سے طبعاً محبت ہو۔۔۔یا۔۔۔اختیاراً محبت کی گئی ہو۔

(۲) محبت کی دو قسمیں ہیں۔۔۔ایک جبلّی اور طبعی۔۔۔اور دوسری اختیاری۔ جبلّی محبت۔۔۔؟ جو بندہ کے اختیار سے باہر ہو اور اس کی طبیعت و جبلت کا تقاضہ ہو۔
اختیاری محبت۔۔۔؟ جس میں بندہ کے اختیار کو دخل ہو اور اس میں تکلیف جاری ہو سکے۔

اس مقام پر محبت کی پہلی قسم خارج از بحث ہے اس لئے کہ حدیث زیرِ شرح میں کلام ایمان سے متعلق ہے جس کی تحصیل و تکمیل کی تکلیف شریعت کی طرف سے ہے۔

(۳) یہاں 'احبّیت' سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پر ترجیح دی جائے۔۔۔بایں طور کہ۔۔۔آپ کے دین پاک کو زندگی کے ہر ہر شعبے میں لازمی طور پر اپنائے رکھا جائے، آپ کی سنت کی اتباع کی جائے، آپ کی بارگاہِ اقدس کے آداب کا پورا لحاظ رکھا جائے اور آپ کی رضا کو زندگی کا نصب العین بنالیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر آپ کی محبت کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنی جان کو قربان کر دیا جائے۔۔۔یا۔۔۔اپنے چہیتے بیٹے اور شفیق باپ، نیز کسی محبوب شخص یا محبوب و پسندیدہ چیز سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کر لی جائے تو اس میں بھی کوئی تأمل نہ کیا جائے، جیسا کہ اجلہ صحابہ کرام نے کر کے دکھادیا۔

(۴) حدیث زیرِ شرح میں 'نفس' کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ اس دعائے ماثور میں ہے جس میں حق تعالےٰ کی محبت کی درخواست کی گئی ہے وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَ وَلَدِيْ۔

اے اللہ! مجھ میں اپنی محبت کو میری جان، میرے مال اور میرے بیٹے کی محبت پر غالب فرمادے۔

اب حدیث زیرِ شرح میں 'نفس' کا ذکر نہ فرمانا۔۔۔۔ممکن ہے کہ اس لئے ہو تا کہ تعلیم وتربیت میں تدریج وترتیب کی رعایت ہو جائے۔

اوّلاً نبی کریم ﷺ کو باپ بیٹے سے زیادہ محبوب بنالینے کی تکلیف دی جائے۔جب انسان اس مقام پر آ جائے تو پھر اسے آپ کو جان سے زیادہ محبوب بنالینے کی راہ دکھائی جائے ۔۔۔۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"آنحضرت ﷺ از عمر ؓ پر سید کی حال چیست؟ مارا دوست داری و بس یا غیر مارا۔نیز شریک می گردانی؟ گفت که محبت مشترک است۔ شمارا دوست می دارم و نفس را و فرزندان و مال و منال را نیز دوست می دارم۔ پس آنحضرت ﷺ دستی برسینه عمر زدو تصرفی کردو پر سید اکنوں حال چیست و چگونه می دریابی؟ گفت ساقط شد محبت اہل و مال' واما محبت نفس ہنوز باقی است۔ بار دگر دست برسینه عمر زد و پر سید اکنوں چگونه؟ گفت ہمه ساقط شدو نماند الا محبت تو یا رسول الله ﷺ"۔

(اشعته اللمعات)

"آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ صرف مجھی کو دوست رکھتے ہو یا میرے سوا کو بھی؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ محبت مشترک ہے۔آپ کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور اپنی جان کو بھی، اپنے بچوں کو اور مال ودولت کو بھی۔یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ؓ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور ان کے دل پر خاص توجہ ڈال کر تصرف فرمایا اور پھر دریافت فرمایا اب کیا حال ہے؟ اپنے کو کیسا پا رہے ہو؟ حضرت عمر ؓ نے جواباً عرض کیا کہ میرے دل سے اہل و مال کی محبت تو ساقط ہو گئی مگر جان کی محبت ابھی باقی ہے۔آپ نے دوسری بار حضرت عمر ؓ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا کہ اب کیسے ہو؟ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اب میرے دل میں کسی اور کی محبت نہیں رہ گئی، اب صرف آپ کی محبت ہے جو میرے دل کے ہر ہر گوشے میں سمائی ہوئی ہے"۔

(۵) محبت ومودّت کا باعث حُسن ہے یا احسان۔۔۔۔اور یہ دونوں صفتیں آنحضرت ﷺ

کی ذاتِ گرامی میں بہ درجہء اتم موجود ہیں۔۔۔۔ المختصر۔۔۔۔ آنحضرت ﷺ حسن و جمال، جاہ وجلال، فضل وکمال جود ونوال اور اپنے ہر ہر کمال میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔ الغرض آپ تمام مخلوق میں اجمل واکمل ہیں۔۔۔۔ اور اگر۔۔۔۔اور گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے اور دریائے حقیقت میں شناوری کر کے ملاحظہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ درحقیقت حُسن واحسان اور جملہ صفات کمال، ذات خداوندی میں مقصود ومنحصر ہے۔ جو کامل الصفات اور واہب العطیات ہے۔۔۔۔ اور۔۔۔۔آنحضرت ﷺ خداوندی جمال وکمال کا آئینہ ہیں۔ پس احبّیت کی نسبت خواہ ذات خداوندی کی طرف کی جائے یا ذات رسالت کی طرف کی جائے، دونوں صحیح ہیں اور درحقیقت دونوں ایک ہی ہیں۔

ہم حسن و جمال بی نہایت داری
ہم جود و کرم بحدِ غایت داری
ہم حُسن ترا مسلّم و ہم احسان
محبوب توئی کہ ہر دو آیت داری

فوائد

(۱) عَنْ اَنَسٍ ﷺ۔۔۔۔ یہاں انس سے مراد حضرت انس بن مالک بن النضر الانصاری الخزرجی النجاری ہیں۔ آپ کو دس سال تک نبی کریم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا۔ جب آپ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تھے اس وقت آپ کی عمر شریف ۸ سال۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ ۹ سال۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ ۱۰ سال کی تھی۔۔۔۔ آپ کی والدہ محترمہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر آپ کے لئے خصوصی دعا کی التماس کی تھی۔ سرکارِ رسالت نے ان کی درخواست کو قبول فرما کر آپ کے لئے ان لفظوں میں مخصوص دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِي مَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَاَطِلْ عُمَرَهٗ وَاغْفِرْ ذَنْبَهٗ

'اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد میں برکت عطا فرما اور اس کو عمر طویل بخشدے نیز اس کے گناہوں کی مغفرت فرما'۔

اس دعائے نبوی کی برکت سے سو (۱۰۰) سے زیادہ آپ کی اولادیں ہوئیں اور آپ کا نخلستان سال میں دو بار میوہ دیتا رہا اور آپ کی عمر شریف سو (۱۰۰) سال تک پہنچ گئی،

بلکہ اس سے بھی زیادہ رہی۔۔۔۔اپنے مال وعیال اور اپنی عمر شریف میں برکت کا مشاہدہ فرما کر آپ نے ایک موقع پر اس کا اظہار بھی فرمایا اور آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

اِنَّا اَرْجُوْالرَّابِعَةَ

'مجھے امید ہے کہ چوتھی بات بھی پوری ہو کر رہے گی'۔

یعنی نبی کریم کی دعا کی برکت سے پہلی بات مال میں برکت، دوسری بات عیال میں برکت، تیسری بات عمر میں برکت دیکھ کر قوی امید ہے کہ آپ کی فرمائی ہوئی چوتھی بات یعنی 'گناہوں کی بخشش' بھی ضرور ہوگی۔۔۔۔عہدِ فاروقی میں لوگوں کو علمِ دین سکھانے کی غرض سے بصرہ تشریف لے گئے اور وہیں رہ گئے اور پھر بصرہ ہی میں ۹۱ھ۔۔۔۔یا۔۔۔۔۹۳ھ میں وفات پائی۔۔۔۔بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ میں آپ آخری صحابی تھے۔۔۔۔آپ کی قبر پر انوار زیارت گاہِ خواص وعوام ہے۔آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔کثیر لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے۔آپ کی کنیت ابُوحمرۃ تھی۔۔۔۔

'حمرۃ' ایک قسم کے زہریلے اور تیز پودے کو کہتے ہیں۔۔۔۔یہ کنیت سرکار نبوت کی عطا کردہ تھی۔حضرتِ انس خود ہی فرماتے ہیں کہ نبی کریم نے اسی پودے سے میری کنیت رکھدی، جسے ایک روز میں چن رہا تھا اور سرکار نے چنتے ہوئے ملاحظہ فرمالیا تھا۔

(۲) 'جواہر پارے' کے تحت جو کچھ ہے وہ سب 'اشعۃ اللمعات' مولفۂ 'محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، کا چربہ اور اسی کا خلاصہ وحاصل ہے۔اس سے پہلے بھی ہر ہر مقام پر 'جواہر پارے' کے عنوان سے 'اشعۃ اللمعات' ہی کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور انشاء المولیٰ تعالیٰ آئندہ بھی اس کا التزام رکھوں گا۔

(۳) ۔۔لَایُوْمِنُ۔۔الخ۔

"فیوض الباری شرح صحیح البخاری" میں ہے:

'تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مجھ کو ساری کائنات سے زیادہ محبوب نہ رکھے'۔اس کا مطلب قطعاً یہی ہے کے حضور اکرم ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان کا پایا جانا ناممکن ہے۔ ہر شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے فہم وفراست کی دولت دی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے

کہ جس کے ساتھ عقیدت و نیاز مندی ایمان میں داخل ہو اور بغیر اسکے مانے آدمی مومن نہ ہو سکے، اس کی محبت ساری کائنات سے زیادہ ضروری ہوگی۔ ماں باپ، اولاد، عزیز و اقارب کے انسان پر حقوق ہیں اور ان کا ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان سب کو بھول جائے اور اسکے دل میں انکے لئے بالکل محبت و الفت باقی نہ رہے اور ان سب سے بے تعلق ہو جائے تو اسکے ایمان میں خلل نہ آئے گا کیونکہ ایمان لانے میں ماں باپ، عزیز و اقارب کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ لیکن رسول کریم ﷺ کا ماننا مومن ہونے کیلئے ضروری ہے۔ جب تک لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا معتقد نہ ہو ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ تو اگر اس کا رشتہء محبت حضور اکرم ﷺ سے ٹوٹا تو یقیناً ایمان سے خارج ہو گیا۔ کیونکہ تصدیق رسالت محبت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلئے اسلام میں حضور اکرم ﷺ کی محبت کو سارے عالم سے زیادہ ضروری اور اسلام و ایمان کی شرطِ اوّل قرار دیا گیا"۔

(۴) ۔۔۔۔لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ۔۔۔۔ الخ

'مراۃ' شرح 'مشکوٰۃ' مولفہ جلالۃ العلم حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان، میں ہے:

''یہاں پیار سے مراد طبعی محبوب ہے نہ کہ صرف عقلی، کیوں کہ اولاد کو ماں باپ سے طبعی الفت ہوتی ہے، یہ ہی محبت حضور سے زیادہ ہونی چاہئے اور بحمدہ تعالیٰ ہر مومن کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ عام مسلمان بھی مرتد اولاد، بے دین ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں اور حضور کی عزت پر جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ غازی عبدالرشید، غازی علم دین، عبدالقیوم وغیرہ کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔۔۔۔ ''جواہر پارے'' کے تحت حضرت شیخ محقق کا ارشاد صاف لفظوں میں گزر چکا ہے کہ حدیث زیر شرح میں محبت سے مراد عقلی محبت ہے نہ کہ طبعی محبت۔۔۔۔

'مرقات' میں 'حضرت ملا علی قاری' فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْمُرَادُ الْحُبُّ الطَّبِيْعِيُّ لِاَنَّهٗ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْاِخْتِيَارِ وَلَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بَلِ الْمُرَادُ الْحُبُّ الْعَقْلِيُّ الَّذِيْ يُوْجِبُ اِيْثَارَ مَا يَقْتَضِيْ الْعَقْلُ رجحانه ويستدعي اختياره وان كان على خلاف الهوى كحب المريض الدواء فانه يميل اليه باختياره ويتناول بمقتضى عقله لما علم وظن ان صلاحه فيه و ان نفر عنه طبعه مثلا لو امره صلى الله عليه وسلم بقتل ابويه و اولاده الكافرين اوبان

يقاتل الكفار حتى يكون شهيدا لاحب ان يختار ذلك لعلمه ان السلامته فى امتثال امره صلى الله عليه وسلم او المراد الحب الايمانى الناشى عن الاجلال والتوقير والاحسان و الرحمته وهو ايثار جميع اغراض المحبوب على جميع اغراض غيره حتى القريب والنفس ولما كان صلى الله عليه وسلم جامعالموجبات المحبته من حسن الصورة والسيرة و كمال الفضل و والاحسان مالم يبلغه غيره استحق ان يكون احب الى المومن من نفسه فضلا عن غيره سيما وهوالرسول من عند المحبوب الحقيقى الهادى اليه والدال عليه والمكرم لديه

''یہاں محبت سے مراد طبعی محبت نہیں، اس لئے کہ حُبِّ طبعی اختیار سے خارج ہے اور اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی چیز کی جو اس کے اختیار میں ہو ـــــ بلکہ ـــــ مراد عقلی محبت ہے جو ان امور کو اپنا لینے کی موجب ہے، جن کی طرف عقلی رجحان ہو۔ اور جسے اختیار کرنے کی عقل داعی و متقاضی ہو خواہ وہ خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، جیسے ''مریض کی دوا سے محبت''۔ اس لئے کہ دوا کی طرف مریض کا میلان اس کے اختیار سے ہے جو اس کی عقل کا تقاضہ ہے۔ کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے اور گمان غالب ہو چکا ہے کہ اس کی بھلائی اسی میں ہے، اگر چہ اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہے۔۔۔۔ مثلاً۔۔۔۔ حضور ﷺ اگر کسی کو حکم دیں کہ وہ اپنے کافر ماں باپ اور بچوں کو قتل کر دے۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ یہ کہ کفار سے یہاں تک لڑے کہ خود شہید ہو جائے تو وہ اسی کو اپنانے کو پسند کرے اور اسی کو اختیار کرنا محبوب رکھے اس لئے کہ اسے علم ہے۔۔۔۔ کہ سلامتی آنحضرت ﷺ کے حکم کی بجا آوری ہی میں ہے۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں حُب سے مراد حُبِّ ایمانی ہو جو اجلال و توقیر اور احسان و رحمت کی پیداوار ہے اور وہ یہ ہے کہ محبوب کی ہر غرض کو اس کے غیر کی ہر ہر غرض پر ترجیح دی جائے اور محبوب کے تمام اغراض کو اپنا لیا جائے اور اسے ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ محبوب کا غیر، خواہ کوئی قریب ترین عزیز ہو یا خود اپنی جان ہو۔ اور جبکہ آنحضرت ﷺ محبت کے تمام موجبات مثلاً حسنِ صورت، حسنِ سیرت، کمالِ فضل اور احسان کے جامع ہیں اور ان تمام خوبیوں میں اس مقامِ رفیع پر جلوہ فرما ہیں، جہاں تک آپ کے غیر کی پہنچ نہیں تو آپ زیادہ مستحق ہیں کہ مومن کو اپنے سے بھی زیادہ محبوب ہوں، چہ جائیکہ اس کے غیر سے۔ اور جب خاص کر کے یہ حال ہو کہ آپ ﷺ جملہ انسانی خوبیوں کے ساتھ ساتھ محبوبِ حقیقی خالق کائنات اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے ہیں جو بارگاہِ خداوندی کی طرف ہدایت فرماتے ہیں، اس کی طرف راہ دکھاتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں مکرم و معظم ہیں''۔

'مرقات' کی عبارت کے ساتھ ساتھ اس کا مطلب خیز ترجمہ تحریر کردیا ہے تاکہ ہر خاص و عام اچھی طرح فائدہ حاصل کرسکے۔۔۔۔'اشعۃ اللمعات' اور 'مرقات' کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ملتی ہے کہ حدیث زیرِ شرح میں محبت سے حب عقلی ہی مراد ہے نہ کہ حب طبعی۔۔۔۔مثلاً۔۔۔۔'فتح الباری' (جلد۱صفحہ۴۵) میں 'علامہ ابن حجر عسقلانی' رقم طراز ہیں:

والمراد بالمحبة هنا حب الاختيار لا حب
الطبع قاله الخطابی

''خطابی نے کہا ہے کہ یہاں محبت سے مراد حُبِّ اختیاری ہے نہ کہ حُبِّ طبعی''

'زرقانی شرح مواہب' (جلد۶صفحہ۳۴۳) میں ہے:

(قال الخطابی والمراد بالمحبة هنا حب الاختيار) الذى يقتضى العقل ايثاره وان خالف الطبع كمحبة المريض الدواء (لاحب الطبع) الذى لا يدخل تحت اختيار فانه لا يؤاخذ به لعدم دخوله تحت استطاعته

''خطابی نے کہا ہے کہ یہاں محبت سے حُبِّ اختیاری مراد ہے جس کو اپنانے کی عقل داعی ہو۔اگرچہ طبیعت کو ناگوار ہو، جیسے کہ مریض کی محبت دوا سے۔ یہاں حُبّ سے حُبِّ طبع مراد نہیں، جو انسانی اختیار کے ماتحت نہیں کیونکہ استطاعت کے دائرے میں داخل نہ ہونے کے سبب اس پر کسی طرح کا مواخذہ نہیں''۔

'اشعۃ اللمعات'، 'مرقات'، 'فتح الباری'، اور 'زرقانی' کی مذکورہ بالا عبارتیں اس بات کو واضح کررہی ہیں کہ محبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حُبِّ طبعی۔۔۔۔

(۲) حُبِّ عقلی۔۔۔۔بلفظِ دیگر حُبِّ اختیاری۔

'مرقات' میں حُبِّ ایمانی فرما کر جو حُب کی ایک تیسری قسم کی طرف اشارہ کیا ہے، غور فرمایئے تو وہ الگ سے کوئی قسم نہیں بلکہ مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے کسی ایک کی فرع ہے ۔۔۔۔ان تصریحاتِ مذکورہ بالا کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آیئے اس ناچیز کے معروضات پر غور

فرمایئے۔

میں نے جہاں تک غور وفکر کیا ہے یہ 'عقلی محبت' میری سمجھ میں نہ آسکی۔ میرے خیال میں محبت صرف طبیعت کے میلانِ صحیحہ کا نام ہے جس کا آغاز دل کے تعلق سے ہوتا ہے، پھر اس تعلق کو عزم وارادہ مضبوط بناتا ہے جس کے بعد قدرتی اور فطری طور پر ایک کشِش پیدا ہوتی ہے۔ جو مُحِبّ کو محبوب کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے۔ اس کے بعد چاہنے والے کے دل میں ایک قائم رہنے والی عشقیہ سوزش اور جلن کا ظہور ہوتا ہے جو آگے بڑھ کر پیار کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اور دل کو صفتِ وداد کی کامل معرفت ہو جاتی ہے اور پھر اس کے آگے کی منزل میں محبت کا اثر دل کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے، اس صورت میں چاہنے والے پر ایک ایسا شغف مسلط ہو جاتا ہے کہ وہ شب و روز تدابیرِ قرب اور مواصلاتِ وصل کی درستگی میں لگا رہتا ہے۔ اسے اگر کوئی فکر ہوتی ہے تو صرف محبوب کی فکر ہوتی ہے، محبوب کے سوا باقی تمام تفکرات کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ ایک طرف محبوب ہی کا تصور ہے جسم پر جس کی شہنشاہی ہے تو دوسری طرف محبوب ہی کی محبت ہے دل پر جس کی حکمرانی ہے۔۔۔۔ یہ کیفیت وحالت جب اور ترقی کرتی ہے تو ایک ایسی حالت کا ظہور ہوتا ہے جِس کی تعبیر عشق سے کی جاتی ہے۔ یہ عشق کا مرض ایک ایسا مرض ہے جو اپنے مریض کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو عشقہ (ایک زرد پھولوں والی بیل) اس درخت کے ساتھ کرتی ہے جس پر وہ چڑھ جاتی ہے۔ 'عِشقہ' کا کام درخت کو خشک کر دینا ہے تو عشق کا کام عاشق کو ناتواں بنا دینا ہے۔۔۔۔ خیال رہے کہ لفظ 'عشق' اسمِ 'عشقہ' ہی سے ماخوذ ہے۔

عشق کے آگے کی منزل کا نام 'تیم' ہے 'تیم' غلامی کو کہتے ہیں۔ اس منزل میں چاہنے والا اپنے خیالات وتصورات کا ایسا غلام بن جاتا ہے جس سے رہائی خود اس کے اختیار سے باہر ہو جاتی ہے، وہ ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم، اس کا دل، اس کی روح، اس کی آرزو، اس کی مراد، بلکہ دنیا کی ہر وہ چیز جو اس کی سمجھی جاتی ہے، اس کے نزدیک اس کی نہیں رہ جاتی۔ محبوب ہی کی خوشی، اس کی خوشی اور محبوب ہی کی رضا، اس کی رضا بن جاتی ہے۔

محبت کی اس منزل سے آگے بڑھنے پر 'عبودیت' کا مقام ملتا ہے جہاں پہنچ کو عبد اسی پر

قانع، بلکہ شاکر نظر آتا ہے کہ اس کی عبدیت کا انتساب اس کے معبود کی طرف کرتے رہیں اور وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

اس سے بھی بلند و بالا مقام 'خُلّت' کا ہے۔ جس میں جسم کے ایک ایک بال، رگوں میں دوڑنے والا ہر ہر قطرہ خون، نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں، جذبات اور آرزوؤں کا بالکلیّہ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ، طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوانِ مقصود و مطلوب بن جاتا ہے۔۔۔۔'خُلّت' کے آگے 'حبیبیّت' کی منزل ہے۔ اس مقام پر خود محبّ ہی اپنے محبوب کا محبوب و مطلوب ہو جاتا ہے۔ محبّ کی رضا خود اس کے محبوب کی رضا بن جاتی ہے۔ اب محب سنتا ہے تو محبوب کے کان سے، دیکھتا ہے تو محبوب کی آنکھ سے، پکڑتا ہے تو محبوب کے ہاتھ سے، بولتا ہے تو محبوب کی زبان سے۔۔۔۔المختصر اس کے فعل کو محبوب اپنا فعل قرار دینے لگتا ہے۔

اس کے بعد جب محبت اور آگے قدم بڑھاتی ہے تو 'وحدت' کا مقام ظہور میں آتا ہے۔ یہ مقام اس طرح ہاتھ آتا ہے، اوّلاً محبّ آئینہ کائنات میں تجلّی اول کا جلوہ دیکھتا ہے، رفتہ رفتہ آئینہ نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے اور نظر اس تجلّی پر جم جاتی ہے، پھر اس تجلّی میں ایک وجود کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس وجود کی کشش اس کو اپنا بنا لیتی ہے اور ہر غیر وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس میں اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ ہم۔۔تم۔۔یہ۔۔وہ۔۔سب اسی وجود میں فنا ہو جاتے ہیں اور قصد و ارادہ کے بغیر ہی زبان کہنے لگتی ہے:-

لا موجود الاّ ھوٗ - بلفظ دیگر۔۔۔۔لا موجود الاّ اللہ۔۔۔۔

اوپر کی اس مختصر تحریر سے محبت کے مدارج کو مذکورہ بالا صورتوں میں منحصر کر دینا مقصود نہیں، بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ محبت کے مدارج تو بہت ہیں نیز ہر ہر درجہ کی محبت کے موجبات اور آثار بھی الگ الگ ہیں۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔باایں ہمہ سب کا تعلق دل کے میلان ہی سے ہے۔۔۔۔محبت کا باعث و موجب کچھ بھی ہو، حسنِ صورت ہو یا حُسنِ سیرت، کوئی خوبی ہو یا اور کوئی تعلق، ہر شکل میں باعث و موجب کی موجودگی میں محبوب کی طرف دل کا میلان طبعی اور

اضطراری ہی ہوگا نہ کہ عقلی اور اختیاری۔

یہ صحیح ہے کہ محبت کی بنیاد کسی کمالِ اصلی پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے 'صفتِ جود وسخا' سے محبت کرنے والے کا جھکاؤ 'حاتم' کی طرف ۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ سینکڑوں 'صفتِ عدل و داد' کو محمود سمجھنے والوں کا میلان 'نوشیرواں عادل' کی طرف۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ ہزاروں 'صفتِ مردانگی وشجاعت' کو پسند کرنے والوں کا رجحان 'رستم واسفندیار' کی طرف۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ بے شمار 'علم وحکمت' کے قدر دانوں کا جھکاؤ 'سقراط' اور 'افلاطون' کی طرف ہے۔ تو یہ سارا میلان، یہ سارا رجحان اور یہ سارا جھکاؤ یقیناً فطری اور اضطراری ہے۔ اس میں انسانی اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔

محبت عقلی کو سمجھانے کے لئے جو مثالیں دی جاتی ہیں، میرے خیال میں وہ مناسب نہیں، اس لئے کہ مریض کو صحت سے محبت ہوتی ہے نہ کہ دوا سے۔ دوا تو وہ ضرورتاً استعمال کرتا ہے تا کہ وہ اپنے محبوب کو حاصل کر سکے۔ محبوب تک پہنچنے کی صعوبتیں، دشواریاں، تلخیاں اور پریشانیاں خواہ وہ دوا اور نشتر کی صورت میں ہوں، یا صحرانوردی اور دشت پیمائی کی شکل میں، یا کسی اور روپ میں، نہ وہ محبوب ہیں اور نہ بذاتِ خود مطلوب ہیں۔ بلکہ محبوب وہ ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے ان صعوبتوں کو انگیز کیا جارہا ہے۔۔۔۔ المختصر۔۔۔۔ جو محبوب ہے اس کی طرف دل کا میلان بالکل طبعی اور فطری ہے۔ اور جس کی طرف طبیعت کا جھکاؤ نہیں ہے اور صرف بہ تقاضہء عقل اس کو اپنایا گیا ہے وہ محبوب نہیں۔۔۔۔ اسی طرح محبوب تو ہے فلاحِ دارین اور دین و دنیا کی سلامتی، لیکن اگر اس محبوب کو حاصل کرنے کے لئے باپ بیٹے، عزیزوں اور دوستوں کو قتل کر دینا پڑے، یا اپنے کو موت کے سپرد کئے بغیر اس محبوب تک پہنچ ناممکن ہو تو ان امور کو ضرورتاً اپنایا جائے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ یہی قتل وموت ہی محبوب ہیں۔ بلکہ محبوب تو وہی ہے، جس کی طرف دل کا جھکاؤ فطری و طبعی طور پر ہوا ہے۔ اور جس حد تک ان دشوار گزار مرحلوں کو طے کئے بغیر پہنچا نہیں جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محبت کے مدارج محبوب کے مدارج پر منحصر ہوتے ہیں۔ محبوب جتنا زیادہ ارفع واعلیٰ ہوگا محبت کا درجہ بھی اسی قدر بلند و برتر ہوگا۔ محبّ کو محبوب کی ذات و

صفات کا جتنا عرفان ہوگا اسی قدر زیادہ استحکام سے اس کی جانب میلانِ طبع ہوگا۔

نصوص میں جہاں جہاں کسی سے محبت کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔۔۔۔یا۔۔۔محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ان تمام ارشادات کا منشاء صرف یہ ہے کہ جس کی محبت مطلوب ہے، اس میں موجبات محبت موجود ہیں، لہٰذا تم اس کا عرفان حاصل کرو۔ جس قدر تم اس کے حُسن و احسان اور خوبیوں کو سمجھ سکو گے، اسی قدر تمہارا دل طبعی اور فطری طور پر اس کی طرف مائل ہوگا اور تم اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ محبت کا پاک چشمہ جو طبع انسانی میں صفت نورانی بن کر مستور و پوشیدہ ہے، اگر بالفرض خس وخاشاک علائق سے دب گیا ہوگا۔ یا سنگلاخ جہالت میں رک گیا ہوگا تو عرفان ومعرفت کے تیز دھارے اگر ایک طرف خس وخاشاک کو بہالے جائیں گے تو دوسری طرف جہالت کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں گے۔ جس کے نتیجے میں چشمہ محبت پھر فوارہ کی طرح اسی بلندی سے موجزن ہو جائے گا جس بلندی سے چلا تھا۔۔۔۔ المختصر۔۔۔۔حدیث زیرِ شرح اور اس طرح کے ارشادات کا منشاء "تکلیف مالا یطاق" نہیں، بلکہ مقصودِ کلام فضیلتِ تفکر کو ظاہر کرنا اور غور وفکر کی دعوت دینا ہے۔۔۔۔ فتح الباری (جلد اصفحہ ۴۵) میں ہے:

فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثُ اِیْمَاءٌ اِلٰی فَضِیْلَةِ التَّفَكُّرِ فَاِنَّ
اَلْاَحَبِیَّةَ الْمَذْكُوْرَةَ تُعْرَفُ بِهٖ

'اس حدیث میں غور وفکر کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں مذکور احبیت کا عرفان غور وفکر ہی سے حاصل ہوسکتا ہے'۔

وہ اس طرح کہ انسان کا محبوب یا تو اس کی اپنی ذات ہے یا اپنے سوا کوئی اور۔ پہلی صورت میں وہ آفتوں سے اپنی سلامتی اور اپنی دائمی بقا کا آرزومند ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ سلامتی اور بقا اس کا حقیقی مطلوب ہے۔ رہ گیا غیر سے محبت کرنا تو اگر واقعی ایسا ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نفع کی مختلف صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح کا نفع اس کو حالاً یا مآلاً حاصل ہوا ہے۔ پس جب وہ اس نفع پر غور کرے گا جو اسے اس رسول کی طرف سے حاصل ہوا ہے، جس رسول نے اس کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان کا نور عطا فرمایا، خواہ بذات خود نکالا ہو، یا کسی ذریعہ سے نکال

دیا ہو، تو اسے یقین ہو جائے گا کہ رسول کریم ہی ہیں جو فردوسِ نعیم میں ہماری بقا و دوام کا سبب ہیں۔ پھر وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہوگا کہ آپ کا نفع بخشنا تمام نفع بخش صورتوں سے عظیم تر ہے، تو یقیناً آپ کی طرف اس کے دل کا میلان غیروں کی طرف جھکاؤ سے زیادہ اور وافر نیز اغلب و اکثر ہوگا۔ کیونکہ وہ نفع جو محبت کا مرکز ہے وہ آپ کی ذات سے بخوبی اور بکثرت حاصل ہے۔ لیکن چونکہ لوگوں کی ذہنی صلاحیتیں مختلف ہیں، بعض اذہان میں رسول کریم علیہ السلام کی خوبیوں کا عرفان اور آپ کی جانب سے ہونے والی منفعتوں کا استحضار ہے اور بعض ذہنوں میں یہ استحضار نہیں، اس لئے ہر انسان ایک ہی فیصلے پر متفق نہیں ہوسکتا اور آپ کی طرف ہر قلب کے میلان کی حالت ایک جیسی نہیں ہوسکتی۔۔۔۔

اس تحریر سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ صحابہ کرام کو رسول کریم سے جو بے پناہ محبت تھی اس کا راز کیا تھا؟۔۔۔۔ بے شک یہ ان کی معرفت کا ثمرہ تھا۔ جب وہ رسول کی معرفت میں کامل تھے تو پھر ان کی محبت کا بھی کامل ہونا ناگزیر تھا اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ اللہ کی توفیق و تائید ان کے شریک حال تھی۔۔۔۔ الغرض۔۔۔۔ خوبی اور کمال کی طرف انسانی طبیعت کا غیر شعوری جھکاؤ بالکل فطری ہے۔ اب اگر کسی انسان کا دل کسی خوبی یا کسی خوبی والے کی طرف مائل نہ ہو تو اس کی وجہ خارجی عوارض و علل ہیں جنھوں نے اس انسان کی فطرت اولیٰ اور طبیعت مستقیمہ کو حجاب اندر حجاب کر دیا۔ جب بھی یہ حجابات دور ہو جائیں گے طبیعت اپنے فطری میلان پر غیر شعوری طور پر مجبور ہو جائے گی۔

ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ کسی خارجی عوارض و علل کے سبب کسی فرد انسانی میں اس کا فطری جذبہ اگر مردہ نظر آئے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ انسان کا فطری جذبہ نہیں۔ جس طرح چند مخنثوں اور راہبوں کا وجود اس بات کی دلیل نہیں کہ نفسانی خواہشات انسان کی فطرت نہیں۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ جس طرح چند مختلف امراض کے مریضوں کو بھوک پیاس نہ لگنا، اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ امور فطرتِ انسانی سے خارج ہیں۔ ان مقامات میں فطرت پر حجاب پڑ گیا ہے۔ اگر فطرت کو سمجھنا ہے تو ان عوارض کو ہٹا کر دیکھنا ہوگا۔۔۔۔ المختصر۔۔۔۔ خوبی اور کمال کی

طرف انسانی طبیعت کا غیر شعوری میلان بالکل فطری ہے۔اب اگر کسی فردِ انسانی میں اس میلان کا ظہور نہ ہو تو یہ ایک غیر فطری بات ہوگی جو کسی خارجی علت کی پیداوار ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ محبت، طبعی اور صرف طبعی ہوتی ہے نہ کہ عقلی اور اختیاری۔۔۔۔ہاں اگر کوئی بابِ محبت میں یوں کلام کرے کہ بعض محبوب وہ ہیں جن کی محبت فلاحِ دارین یا کسی قابلِ قدر فائدے کا سبب بن جاتی ہے۔لہٰذا یہ محبت عقل کے نزدیک سودمند ہے۔اس کے برخلاف بعض محبوب وہ ہیں، جن کی محبت کسی فائدہ کا باعث نہیں ہوتی تو جو محبت عقل کے نزدیک سود مند ہو، اس کو ہم حُبِّ عقلی کہیں گے اور اس کے سوا کو حُبِّ طبعی کہیں گے۔۔۔۔اس صورت میں میری گذارش ہوگی کہ اگر حُبِّ عقلی اور حُبِّ طبعی کی مذکورہ تفریق بطور اصطلاحِ خاص ہے تو اس کی پوری گنجائش ہے۔۔۔۔ 'لا مناقشة فی الاصطلاح' کا مشہور اصولی فقرہ ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ اگر کوئی شخص کسی خاص لفظ سے کوئی خاص معنی بطورِ اصطلاح مراد لے تو ہم اس پر کوئی اعتراض کریں۔۔۔۔حُبِّ عقلی کہہ کر اصطلاحاً کچھ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔لیکن اس نوع کی محبت میں بھی طبیعت کی غیر شعوری دخل اندازی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا یہ اصطلاح سازی ان کے لئے کس طرح فائدہ بخش ہوسکے گی، جن کے نزدیک حُبِّ عقلی میں میلانِ طبع کا ذرّہ برابر شائبہ تک نہیں۔اس مقام پر علماء نے حُبِّ عقلی کی جو تعریفیں کی ہیں اور اس کی مثالیں دی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ حُبِّ عقلی میں طبعی میلان کا کوئی حصہ نہیں۔ ان سب کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر اس کلام کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے کہ بعض محبوب ایسے ہوتے ہیں، جن کی طرف طبعی میلان اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ ان کی ذات وصفات اور ان کی خوبیوں کی سچی معرفت نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ معرفت کا ذریعہ عقل ہے۔جب عقل نے پہچانا تب جا کے دل مائل ہوا۔ اگر عقل کو عرفان نصیب نہ ہوتا تو دل کا میلان کیسے ہوتا؟۔۔۔۔دل کا میلان طبعی اور غیر شعوری سہی، لیکن عقل کے پہچان لینے کے بعد ہی تو ہوا۔اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس محبت کا وجود عقل کی کامل مداخلت کے بغیر ناممکن ہے۔لہٰذا اس طرح کی محبت کو حُبِّ عقلی کا نام دیدیا گیا اور چونکہ عقلی تگ ودو انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے، لہٰذا اس

محبت کو حُبِ اختیاری کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔رہ گئیں اس کے سوا وہ محبتیں، جن میں عقل و اختیار کی ذرا بھی مداخلت نہیں ہے۔ان کی تعبیر حُبّ طبعی سے کردی گئی ہے۔جیسے کسی انسان کا اپنی ذات، اپنے بیٹے، اپنے باپ، اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنی بیوی، اپنے عزیزوں اور اپنے خاندان وغیرہ سے محبت کرنا۔

یہ ساری محبتیں خالص طبعی ہیں۔ان میں سے کوئی بھی محبت عقل کی سفارش کا نتیجہ نہیں۔۔۔۔تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جن اکابرینِ ملتِ اسلامیہ کی کتابوں کی حوالہ جات پیش کئے جاچکے ہیں، ممکن ہے انہوں نے حُبِ طبعی اور حُبِ عقلی سے یہی مذکورہ بالا معانی مراد لئے ہوں؟ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کی خاص اصطلاح میں بحث ومباحثہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔میں عرض کروں گا کہ یہ بخوبی ظاہر ہوچکا ہے کہ حُبِ عقلی کے قائلین حُبِ عقلی میں میلانِ طبع کی مداخلت تسلیم نہیں کرتے، بلکہ کراہت طبع کے ساتھ حُبِ عقلی کا وجود مانتے ہیں۔تو اب ان کی طرف اس دوسری اصطلاح سازی کو بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے کہ حُبِ عقلی کے مذکورہ بالا اصطلاحی معنی کی تشریح میں یہ اعتراف بخوبی نمایاں ہے کہ حُبِ عقلی میں محبت کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے جہاں سے محبوب کی طرف طبیعت کا غیر شعوری میلان شروع ہوتا ہے۔اس غیر شعوری میلان سے پہلے محبت عالم وجود ہی میں نہیں آتی۔۔۔

میرے خیالِ ناقص میں اس کوشش کی قطعی ضرورت نہیں کہ محبت جو خالص وجدانی اور طبعی نیز غیر شعوری چیز ہے، اس کو خواہ مخواہ کے لئے اختیاری اور عقلی بنایا جائے۔محبت کا محل دل ہے اور عقل کا دماغ۔۔۔۔دونوں کے تقاضے جداگانہ ہیں اور دونوں کا طرزِ عمل الگ الگ ہے۔ ایسی صورت میں عقل کو محبت کے خمیر میں داخل کرکے 'حُبِ عقلی' کی صورت گری میری سمجھ سے باہر ہے۔کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ آج تک، جہاں تک مجھے علم ہے، کسی نے بھی عقل کی ماہیت میں محبت کو داخل کرکے 'عقلِ حُبّی' کی ایجاد گوارا نہیں کی ہے۔تو جب 'محبت والی عقل' نہ بن سکی تو 'عقل والی محبت' کیسے بن گئی؟ ۔۔۔۔المختصر۔۔۔۔عقل کا کام عرفان ہے، دل کا کام میلان ہے، دونوں کے دو میدان ہیں۔

میں آستانہ دل پر عقل کی پاسبانی کا مخالف نہیں، لیکن پاسبان کو پاسبان ہی رہنے دیجئے، اس کو شہنشاہ نہ بنادیجئے۔ اگر دل کی شاہی کو مطلق العنان چھوڑ دینا عیب ہے تو اس کو نیک خواہشات کے لئے آزاد نہ چھوڑنا کون سا ہنر ہے؟

(الف) لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

(ب) بے خطر کود پڑا آتشِ نمرودُ میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

محبت بہر صورت طبعی اور وجدانی ہی چیز ہے خواہ وہ کسی داخلی یا خارجی تحریک کے بغیر آپ ہی آپ وجود میں آئی ہو، جیسے اپنی ذات سے محبت ۔۔۔۔ یا ۔۔۔ عقلی سفارش اس کے وجود کا سبب بنی ہو، جیسے احسان کرنے والوں کی محبت ۔۔۔۔ یا ۔۔۔ کسی دوسرے اسباب کا توسط و ذریعہ اس کو منصۂ شہود پر لایا ہو۔ جیسے حسین و جمیل صورت اور اچھی خوبیوں سے محبت ۔۔۔۔

علامہ قسطلانی کی 'مواہب الدنیہ' میں ایک ایسا صاف اور واضح جملہ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی ذات کے سوا انسان جس جس سے بھی محبت کرتا ہے اس میں اسباب کی مداخلت ضرور ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

حُبُّ الْإِنْسَانِ نَفَسَهٗ طَبْعٌ وَحُبُّ غَيْرِهٖ اِخْتِيَارٌ بِتَوَسُّطِ الْاَسْبَابِ

'انسان کا اپنے سے محبت کرنا طبعی ہے اور اپنے غیر سے محبت کرنا اختیاری ہے جو اسباب کے توسط سے ہے'

خطابی کے حوالے سے یہی بات علامہ قسطلانی نے 'فتح الباری' 'کتاب الایمان والنذور' میں کہی ہے۔

یہ پورا جملہ اپنے اندر کوئی ابہام نہیں رکھتا۔۔۔۔ با ایں ہمہ ۔۔۔۔ جب ہم اس کو اسکے سیاق وسباق کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس جملہ

سے یہی بتانا مقصود ہے کہ انسان کا صرف اپنی ذات سے محبت کرنا ہی طبعی ہے۔اپنے سوا کسی سے بھی وہ محبت کرے تو وہ اختیاری محبت ہو گی جس کا وجود اسباب و وسائل کا مرہون منت ہے۔۔۔۔لیجئے۔۔۔۔اب تو باپ بیٹے کی آپس کی محبت بھی طبعی نہ رہ گئی۔۔۔۔اب آیئے اور گہرائی میں اُتر کر اور اِدھر اُدھر کے مفروضات و مشہورات سے صَرفِ نظر کر کے اس مسئلہ کی چھان بین کی جائے۔۔۔۔فرض کیجئے۔۔۔۔کسی شہر میں سیلاب آیا، بہت سے گھر بہے، بہت سے گھر والے لاپتہ ہوئے اور ایک گھر پر تو یہ مصیبت آئی کہ وہ سیلاب کی زبردست زد میں آ گیا، گھر بھی بہہ گیا، گھر والے بھی بہہ گئے، گھر والوں میں میاں، بیوی کے سوا ان کا دو سالہ اکلوتا بیٹا بھی تھا۔۔۔۔میاں، بیوی تو کچھ آگے جا کر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کنارے لگ گئے۔ساحل پر کھڑے ہونے والوں کی مدد سے وہ باہر آ گئے۔کچھ دیر کے بعد ہوش آیا، کچھ جانی پہچانی صورتیں نظر آئیں۔۔۔۔المختصر۔۔۔۔میاں بیوی کو ایک دوسرے سے ملنا بھی نصیب ہو گیا۔۔۔مگر۔۔۔۔ان کا وہ اکلوتا بیٹا نہ جانے بہہ کر کہاں پہنچ گیا کہ ان کی بے پناہ کوششوں سے بھی ان کو نہ مل سکا۔لیل و نہار کی گردش ہوتی رہی، دن مہینے میں، مہینے سال میں بدلتے رہے، سیلاب کب کا رفع دفع ہو گیا، اجڑے دیار بس گئے، بے گھر پھر سے گھر والے ہو گئے۔مذکورہ میاں بیوی بھی اپنے ہی شہر میں اپنے ہی گھر کو بنا کر زندگی بسر کرنے لگے۔۔۔۔بیٹے کا یہ حال رہا کہ وہ سیلاب میں ایک تختے کے سہارے دور اور بہت دور نکل گیا۔کافی دور نکل جانے کی بعد کسی نے اسے بہتا ہوا دیکھا، کشتی کے ذریعہ نکالا اور بچے کو زندہ پا کر مسرور ہوا۔اپنی بیوی کے پاس لے گیا وہ بھی بہت خوش ہوئی کیونکہ لاولد تھے، گویا صاحب اولاد ہو گئے۔

فرض کیجئے کہ یوں ہی پندرہ سال گزر گئے۔پندرہ سال کے بعد بغرض تجارت یہی بچہ اسی شہر میں آتا ہے جہاں اس کے حقیقی والدین اور دوسرے اعزہ رہتے ہیں، بیٹے کا اپنے باپ سے آمنا سامنا بھی ہوتا ہے، مگر یقین جانئے کہ نہ بیٹے کا کوئی میلان باپ کی طرف ہوتا ہے اور نہ باپ کا بیٹے کی طرف۔اور اگر اسی بیٹے کو کوئی اس کے گھر میں کر دے (جس کو ابھی تک وہ خود اپنا گھر نہیں سمجھتا) تو باور کیجئے اس کی پردہ نشین ماں اس کو دیکھ کر ایسا ہی بھاگے گی جیسے کوئی خاتون

نامحرم کو دیکھ کر چھپنے کی کوشش کرتی ہے۔
اس مثال نے ظاہر کر دیا کہ باپ اور بیٹے کا ایک دوسرے کی طرف قلبی جھکاؤ بھی کسی نہ کسی قدر علم و معرفت اور خارجی اسباب نیز بیرونی محرکات کا محتاج ہے۔۔۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس علم و معرفت اور ان خارجی اسباب و محرکات کا احساس گھر کی محدود چہار دیواری اور اپنے اس مخصوص ماحول و سوسائٹی میں نہیں ہو پاتا جہاں کا طرزِ رہائش معروف و متعارف شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔۔۔ لیکن ۔۔۔ عدمِ احساس عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔ غور و فکر کے اس زاویے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ قسطلانی کا ارشاد بالکل واقعیت پر مبنی ہے کہ انسان صرف اپنی ذات سے محبت کرنے میں عقلی سفارش اور خارجی اسباب کا دست نگر نہیں۔۔۔
میرے نزدیک چونکہ محبت طبعی ہی ہوتی ہے، خواہ آپ سے آپ ہو، خواہ اسباب کے توسط یا عقل کی سفارش سے ہو، لہٰذا مجھے ضرورت نہیں کہ میں یہ تشریح کروں کہ علامہ موصوف نے جس محبت کو اختیاری فرمایا ہے اس کو میں نے طبعی کیسے قرار دیا ہے۔ میں نے تو اپنے معروضات کو علامہ موصوف کی عبارت کو زیرِ بحث لانے سے پہلے ہی مفصل طور پر پیش کر دیا ہے۔۔۔ لیکن ۔۔۔ جن علمائے کرام نے حُبِّ طبعی اور حُبِّ عقلی بلفظ دیگر حُبِّ طبعی اور حُبِّ اختیاری کی تقسیم کو قبول فرمالیا ہے اور پھر وہ باپ بیٹے کی محبت کو حُبِّ اختیاری کے خانہ سے نکال کر حُبِّ طبعی کے خانہ میں رکھتے ہین: ان سب کے لئے علامہ قسطلانی کا ارشاد لمحہ فکریہ ضرور ہے۔
میرے معروضات پر غور کرنے والے حضرات اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ میرے نزدیک عقل کو کسی شے کے خوب یا ناخوب، حق یا باطل، صدق یا کذب، صواب یا خطا، طیب یا خبیث، حسین یا قبیح اور پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کا فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے مدمقابل سے ممتاز کر دینے کا اسے پورا اختیار ہے۔۔۔ مگر ۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عقل کے خوب و پسندیدہ کو عقل کا یا عقل والے کا محبوب قرار دے کر 'حُبِّ عقلی' کی داغ بیل ڈالی جائے۔ اس لئے کہ عقل کے خوب

کواس کا یا عاقل کا محبوب قرار دینا، عرف وعادت کے خلاف ہے۔ نیز عقل کا کسی شے کی خوبی یا کسی شے پر اپنی پسندیدگی وغیرہ ظاہر کرنا صرف اس لئے ہے تاکہ دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور اسے اپنا لے۔۔۔عقل کا کام رہنمائی ہے۔ دل کا کام میلان اور پھر تصدیق ہے۔۔۔عقل کا کام خوب وپسندیدہ چیزوں کو ظاہر کردینا ہے، دل کا کام ان کو اپنا محبوب بنالینا ہے، عقل کا کام جاننا ہے اور دل کا کام ماننا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صرف کسی شئے کو جان لینے سے وہ شئے محبوب نہیں بنتی اور کسی شے کو دل مان نہیں سکتا جب تک کہ اوّلاً اس کی طرف اس کا میلان نہ ہو جائے۔ میلان ہی کا نام محبت ہے اور محبت ہی تصدیق پر آمادہ کرتی ہے۔

تاریخِ اسلام میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے کافر اس اقرار پر مجبور ہو گئے کہ محمد عربی ﷺ سچے نبی ہیں، آپ کا دعویٔ نبوت سچائی پر مبنی ہے، آپ امین ہیں، صادق الاقوال ہیں۔۔۔۔ دیکھا آپ نے عقل سب کچھ جان گئی۔۔۔۔ خوب کیا ہے؟ ناخوب کیا ہے؟ پسندیدہ کیا ہے؟ ناپسندیدہ کیا ہے؟ حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ لیکن دل، عقل کی اندرونی تحریک سے متاثر نہ ہوسکا اور اپنی ضِد پر اڑا رہا۔ جس کا کام جاننا تھا اس نے تو جان لیا اور خوب جان لیا، مگر اس جان لینے سے زندگی کو کیا فائدہ پہنچا، جب کہ جس کا کام ماننا تھا وہ مان نہ سکا۔۔۔۔ اب اگر اسی جان لینے اور پہچان لینے سے آپ نے عقل کے خوب وپسندیدہ کو عقل کا یا عاقل کا محبوب قرار دے دینا پسند کرلیا اور آپ کو حُبِّ عقلی کی ترکیب راس آگئی۔ پھر تو اگر ایک طرف یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ نبی کریم بہت سے کافروں کے عقلی محبوب تھے اور کفار کو بھی آپ سے حُبِّ عقلی تھا (گو آپ کو ان کے دلوں نے تسلیم نہیں کیا تھا) تو دوسری طرف یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا نصوص، نبی کریم کے لئے آپ سے اسی طرح کا حُبِّ عقلی چاہتی ہیں جس سے کافر بھی محروم نہ تھے؟

(۵) محبت کی تعریف وتفہیم ان لفظوں میں بھی کی گئی ہے۔ 'مواہب لدنیہ' میں ہے:

اعلم ان المحبة كما قال صاحب المدراج هي المنزلة التي [1] يتنافس فيها المتنافسون واليها [2] يشخص العاملون والىٰ علمها [3] شمر السابقون و عليها [4]

[4] تفانی المحبون و بروح [5] نسیمها تروح العابدون فهی [6] قوة القلوب وغذاء الارواح و قرة العیون وهی [7] الحیاة التی من حرمها فهومن جملة الاموات والنور [8] الذی من فقده ففی بحار الظلمات والشفاء [9] الذی من عدمه حلت بقلبه جمیع الاسقام واللذة [10] التی من لم یظفر بها فعیشه کله هموم وآلام وهی [11] روح الایمان والاعمال والمقامات والاحوال التی متی خلت منها فهی کالجسدالذی لاروح فیه تحمل [12] اثقال السائرین الی بلدلم یکونوا الابشق الانفس بالغیه وتوصلهم [13] الیٰ منازل لم یکونوا بدونها ابدا واصلیها وتبوئوهم من مقاعدالصدق الی مقامات لم یکونوا لولا هی داخلیها وهی مطایا القوم التی سراهم فی ظهورها دائما الی الحبیب و طریقهم الاقوم الذی یبلغهم الیٰ منازلهم الا ولیٰ من قریب تاللّٰہ لقد ذهب اهلها بشرف الدنیا والاخرة اذلهم من معیة محبوبهم اوفر نصیب وقد قدر اللّٰہ یوم قدر مقادیر الخلق بمشیّئته وحکمته البالغة (ان المرء مع من احبه)

''بقول صاحبِ 'مدارج السالکین' محبت وہ بلند و برتر مرتبہ ہے جس[1] میں بطور مبالغہ رغبت کرنے والے باہم مقابلہ کریں (اور اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کریں اور ہر ایک یہی کوشش کرے کہ وہ محبت کی اس منزل تک پہنچ جائے جہاں اس کا غیر نہ پہنچ سکے۔)

اور جس[2] کی طرف عمل کرنے والے ٹکٹکی لگا دیں (اور اس بلند و بالا مرتبہ کو پانے کے لئے پرخلوص عمل کی جد و جہد کرتے رہیں) اور جس[3] کی معرفت حاصل کرنے کی طرف سبقت کرنے والے چستی کریں (اور اس تک پہنچنے میں تیز روی اختیار کریں) اور جس[4] پر چاہنے والے اپنے کو فنا کر دینے میں مبالغہ کریں (اور کوشش کریں کہ ان کی محبت ان کے غیر کی محبت پر سبقت لے جائے)

اور جس[5] کی نرم ہوا کی خوشبو سے عبادت کرنے والے معطر ہو جائیں (اور عابدین کو جب ان کی اچھی مہک ملے تو ان کے نفوس کو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ اس سے لذت و راحت کا احساس کریں[6]) پس محبت دلوں کی توانائی ہے اور روحوں کی غذا ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی محبت سے آنکھوں کو سرور و سکون میسر آتا ہے) اور محبت[7] ایک ایسی زندگی ہے جو اس سے محروم رہے اس کا شمار مردوں میں ہے (اس لئے کہ جس طرح مردے اس کی لذت سے ناآشنا ہیں اسی طرح یہ بھی ہے۔)

وہ ایک[8] ایسا نور ہے کہ جس نے اسے کھو دیا تو وہ تاریکیوں کے سمندر میں ہے۔ (اور ایسا ڈوبا ہوا ہے کہ کسی نفع بخش صورت کی طرف جانے کی اسے راہ نہیں مل سکتی۔)

اور[9] وہ ایسی شفا ہے کہ جس نے اسے گم کر دیا تو اس کے قلب پر طرح طرح کے

طویل امراض کا حلول ونزول ہوا اور وہ ایک[10] ایسی لذت ہے جس کے حصول میں نا کام رہنے والے کی زندگی تمام کی تمام غم و آلام کا مجموعہ ہے۔ اور وہ ایمان[11] و اعمال اور مقامات و احوال کی وہ روح ہے جو نہ ہو تو یہ سارے کے سارے بے روح جسم کی طرح ہو جائیں۔

محبت[12] ہی ہے جو ان راہروؤں کے بوجھ کو ہلکا کر دیتی ہے جو ایسے شہر کی طرف جانے والے ہیں جہاں نفس کو بے پناہ مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا۔

محبت[13] ہی ہے جو ان کو ان منزلوں تک بآسانی پہنچا دیتی ہے جہاں اس کے بغیر کبھی نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔ محبت ہی ہے جو ان مجالس حق (ایسی مجلس جو لغویات اور گناہوں سے خالی ہو) سے لے کر جنت کے ان مقاماتِ بلند تک ٹھکانہ بتاتی ہے، جن میں اس کے بغیر داخلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور محبت قوم کی وہ سواری ہے جس کی پشت پر اس کا سفر ہمیشہ حبیب ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اور محبت ہی قوم کی وہ راہِ مستقیم ہے جو اسے اس کی پہلی منزلوں تک بآسانی جلد پہنچا دیتی ہے۔ (وہ پہلی منزلیں جہاں وہ اس وقت تھی جبکہ پشت سیدنا آدم میں تھی یعنی جنت)۔ قسم خدا کی اہل محبت دنیا و آخرت دونوں کا شرف لے گئے اس لئے کہ ان کے لئے ان کے محبوب کی معیت سے کامل و مکمل حصہ ہے اس لئے کہ محبت دونوں جہان کو شامل ہے، خواہ محب اپنے محبوب کو دنیا میں نہ پائے یا محب و محبوب کے مابین مسافت کی دوری ہو اور یقیناً اللہ نے اسی دن جس دن تمام مخلوق کی تقدیروں کی تعین فرمائی تھی (یعنی زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے ہی) اپنی مشیت و حکمت تامہ سے یہ طے فرما دیا تھا کہ بے شک آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کی۔ (جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اس قول مبارک سے اشارہ فرمایا ہے 'انت مع من احببت'' 'تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو نے محبت کی')۔

محبت کے اسباب و موجبات، علامات و شواہد، آثار و ثمرات اور فوائد و احکام کی توضیح و تشریح مختلف عبارتوں میں بکثرت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں بہتوں نے اپنی سمجھ بوجھ اور مقتضائے حال کے مطابق گوہر افشانی کی ہے، بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں:

''محبت[1] یہ ہے کہ محب اپنے اوصاف کو محو کر دے اور محبوب کی ذات و صفات میں ایسا فنا ہو جائے کہ اپنے اس فنا ہونے کا بھی ادراک نہ کر سکے، یعنی اپنی صفتِ فنا کو بھی فنا کر دے اور فناء الفناء کی منزل پر گامزن ہو جائے، یہاں تک کہ اپنے محبوب کے سوا ہر ایک کو معدوم قرار دے''

مذکورہ بالا عبارت سے محبت کے جس مقام کا اظہار ہو رہا ہے اس کو صرف وجدان سے سمجھا جا سکتا ہے، الفاظ وعبارات اس کو سمجھانے کے لئے قاصر ہیں۔ وجدان سے بھی وہی سمجھ سکتا ہے جو اس منزلِ فنا تک پہنچ چکا ہو۔

وحید العصر سلطان العارفین علامہ حضرت ابو یزید طیفور ابن عیسیٰ بسطامی قدس سرہ، متوفی ۲۶۱ھ کا ارشاد ہے:

''محبت[۲] یہ ہے کہ محب اپنے زیادہ کو کم سمجھے اور اپنے محبوب کے کم کو بہت سمجھے اور بہت شمار کرے''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو محب صادق ہوگا وہ اپنے محبوب پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے بعد یہی خیال کرے گا کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔۔ اس کے برخلاف اگر اس کا محبوب اس کو ایک ادنیٰ چیز دیدے تو وہ اس کو بہت عظیم اور بہت زیادہ شمار کرے گا، گویا اس کو عظیم نعمت مل گئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

''محبت[۳] یہ ہے کہ محب بارگاہ محبوب میں اپنی تھوڑی سے نافرمانی کو بہت سمجھے اور زیادہ سے زیادہ اطاعت کو کم تصور کرے''

محبت کی یہ تیسری تعریف اور اوپر ذکر کی ہوئی دوسری تعریف میں صرف اتنا فرق ہے کہ تعریف میں محبوب کی طرف سے بھی کچھ ہونے کا ذکر ہے، لیکن اس تیسری تعریف میں جنایت وطاعت دونوں محبّ ہی کی طرف سے ہیں۔

صاحبِ کراماتِ کثیرہ، وتصانیفِ جلیلہ، حبر ملت، فرید الدہر، عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ قدس سرّہ، متوفی ۲۸۳ھ یوں گوہر افشاں ہیں:

''محبت[۴] یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لے اور وہ بھی کرے محبوب جس کا حکم دے اور وہ بھی کرے جو محبوب چاہے اگرچہ حکم نہ دے ------- نیز -------- محبوب جو جو چاہے کسی میں بھی اس کی مخالفت نہ کرے اور ایسی بات ہرگز نہ کرے جس سے محبوب نے روک دیا ہو اور منع کر دیا ہو''۔

شیخ موصوف نے اسی مذکورہ بالا مفہوم کی ''معانقة الطاعة و مباينة

المخالفة" کے لفظوں سے تعبیر کی ہے۔۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

''محبت[۵] یہ ہے کہ محبت محبوب کی موافقت اس کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں صورتوں میں کرے''

یقیناً یہی محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب سامنے ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کی کامل موافقت کی جائے۔۔۔۔ شیخ المشائخ سیدنا ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم قرشی قدس سرہ متوفی ۵۹۹ھ کا ارشاد ہے:

''محبت[۶] یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کو اپنی ہر ہر چیز کا مالک بنادے اور اپنے لئے اپنی طرف سے کچھ باقی نہ رکھے''

یعنی محبّ اپنے محبوب کو اپنے ارادوں، اپنے عزائم، اپنے افعال، اپنی ذات، اپنے اموال اور اپنی موجودہ حالت کا پورا مالک بنادے اور ان تمام کو اس کی مرضی کے لئے وقف کردے اور اسی کی مرضی [illegible] اپنی مرضی پر نظر نہ کرے اور مذکورہ بالا وقف کی ہوئی چیزوں سے اپنی ذات کے لئے اسی قدر لے جس قدر اس کا محبوب اس کو عطا کرے۔ اور چونکہ اس نے اپنا سب کچھ محبوب پر وقف کردیا ہے اور اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے تو اب ان وقف کردہ چیزوں سے اس کا محبوب جو اسے عطا کرے وہ اس کے محبوب کی طرف سے ہے، نہ کہ اس کی طرف سے۔۔۔۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

''محبت[۷] یہ ہے کہ محب ما سوی المحبوب کو اپنے دل سے بالکلیہ مٹادے''

یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی فراموش کردے اور ظاہر ہے کہ کمالِ محبت کا تقاضہ یہی ہے۔ کیونکہ اگر دل میں محبوب کے سوا کی بھی گنجائش رہی اور دل غیر محبوب کا بھی مسکن رہا تو یقیناً محبوب کی محبت خالص نہیں ہوسکتی اور اس میں کسی نہ کسی طرح کی ملاوٹ ضرور رہے گی جو شانِ محبت کے خلاف ہے۔۔۔۔ قطب العارفین حضرت ابو بکر شبلی متوفی ۳۳۴ھ قدس سرہ کا ارشاد ہے:

''محبت[۸] یہ ہے کہ محب اپنی ذات کو حقیر سمجھے اور بہت چھوٹا تصور کرے اس بات

سے کہ اس جیسا ذلیل وحقیر ایسے جلیل الشان محبوب سے محبت کرے پس اس کو اس پر شرم آئے اور وہ غیرت کھائے کہ اس نے رشتۂ[۸] محبت قائم کر کے اپنے محبوب کی طرف ایک حقیر شے کو منسوب کیا ہے''۔

علامہ موصوف ''تغار علی المحبوب ان یحبه مثلك'' سے اسی مذکورہ بالا مفہوم کی توضیح فرما رہے ہیں ۔۔۔۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

''محبت[۹] یہ ہے کہ محب ماسوی المحبوب اور محبوب دونوں کی طرف سے اپنے گوشہ قلب کو جھکا لے، نیچا کر لے، پھیر لے، غیر محبوب سے تو اس لئے پھیر لے کہ محبوب کے سوا کسی اور کی طرف میلانِ قلب باعثِ شرم وغیرت ہے۔ رہ گیا محبوب تو کمالِ محبت کے باوجود اس کی طرف سے قلب کا پھیر لینا ناممکن جیسا ہے اس لئے کہ ''میلانِ قلب'' ہی تو محبت کا اصل معنی ہے تو پھر محبوب سے پھر جانے کا سوال ہی کیا؟ ۔۔۔۔ با ایں ہمہ ۔۔۔۔ جب سلطانِ محبت کا پورا تسلط ہو جاتا ہے غیر اختیاری طور پر ایسا ہی واقع ہوتا ہے اور اپنی اس کیفیت کا ادراک خود محب کے بس کی چیز نہیں۔ محبوب کی طرف سے پھیرنے میں کچھ اس کی عظمت وہیبت کا دخل ہوتا ہے اور کچھ اس سے شرم وغیرت کا''۔

اس کیفیت کو بھی محبت کی ان علامات میں شمار کیا گیا ہے، جن میں محبوب کی ہیبت وتعظیم کے عناصر بخوبی اور بکثرت شامل ہیں۔ محبت کی یہ صورت جس میں میلان بھی ہو، تصریف بھی ہو، لفظوں اور عبارتوں سے نہیں سمجھائی جاسکتی ۔۔۔۔۔۔ سید الطائفہ، سلطان الاولیاء، حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حرث بن اسد بصری محاسبی متوفی ۲۴۳ھ قدس سرہٗ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ معنی محبت کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

'محبت[۱۰] یہ ہے کہ محب محبوب کی طرف اپنی پوری کائنات کے ساتھ بالکلیہ مائل ہو جائے اور پھر ہر حال میں اپنی ذات، اپنی جان اور اپنے مال پر اپنے محبوب کو ترجیح دے اور پھر علانیہ اور خفیہ ہر طرح سے محبوب کی موافقت کرے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہی جانے کہ محبوب کی محبت میں اس سے کمی ہی واقع ہو رہی ہے یعنی کماحقّہ وہ محبت نہیں کر سکا ہے'۔

حضرت قرشی قدس سرہٗ نے محبت کی جو تعریف کی ہے اور جس کو میں نقل بھی کر چکا

ہوں، یہ تعریف اور وہ تعریف ایک ہی ہے صرف عبارتوں کا فرق ہے۔۔۔۔اسی مقام پر یہ ذہن نشیں کر لیجئے کہ فائدہ نمبر ۵ کے تحت اب تک محبت کی تعریف میں جو جو عبارتیں پیش کی گئی ہیں اور آگے بھی اسی فائدہ کے ضمن میں جن جن لفظوں سے محبت کی تفہیم کرائی جائے گی ان تمام تعریفوں کا اختلاف صرف لفظی ہے اور صرف ان کی عبارتیں ہی مختلف ہیں۔ جو محبت کرنے والا محبت کی جس منزل پر رہا اس نے محبت کی تشریح میں اسی کا اظہار کر دیا۔۔۔۔از روئے حقیقت اور معنوی طور پر دیکھئے تو ان تمام تعریفوں کا ماحصل و نتیجہ ایک ہی ہے۔۔۔۔بعض علماء فرماتے ہیں:

'محبت [۱۱] وہ سکر و (نشہ) ہے جو محبوب کے مشاہدہ کے سوا کسی اور چیز سے نہ اترے'۔

صوفیاء کے نزدیک 'غیبة بوار دقوی 'کسی مضبوط اور قوی کے متوجہ ہو جانے سے کسی کا کھو جانا سکر ہے۔غیبت عدمِ احساس کا نام ہے۔جب چہرہ جمال سے پردہ اٹھتا ہے تو دیکھنے والے کا دل بے اختیارانہ طور پر اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔خوشی سے جھومنے لگتا ہے اور اس پر ایک طرح کی مستی اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی قوتِ احساس مفقود ہو جاتی ہے اور پھر یہ نشہ اسی وقت اترتا ہے جبکہ چہرۂ محبوب سامنے آ جائے۔

'محبوب کے دیدار کے وقت بھی محب پر ایک مستی سی طاری ہوتی ہے جو تعریف و توصیف سے بالاتر ہے'۔

سچی محبت کرنے والوں پر نشہ طاری ہونا کچھ جام و ساغر پر موقوف نہیں۔ بلکہ صرف محبوب کے دیدار سے انہیں ایسی مستی حاصل ہوتی ہے جو تعریف سے بالاتر ہے۔۔۔۔بعض علماء فرماتے ہیں:

'محبت [۱۲] یہ ہے کہ محب کا دل طلبِ محبوب میں ہمیشہ متوجہ رہے اور محب کی زبان ذکر محبوب پر اس قدر رواری نیاری اور شیفتہ ہو کہ کبھی بھی محبوب کا ذکر کرنے میں سست نہ پڑے اور کوتاہی نہ برتے'۔

محبوب کی طلب میں قلب کی توجہ سے مراد یہ ہے کہ قلب میں ہمیشہ محبوب کی لقاء کا شوق موجزن رہے۔اس لئے کہ ہر محب اپنے حبیب کی لقاء کا آرزومند ہوتا ہے۔رہ گئی محبوب

کے ذکر پر زبان کی فریفتگی اور شیفتگی۔۔۔۔تو یہ بھی ظاہر ہے۔اس لئے کہ ہر چاہنے والا اپنے محبوب کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد ہے:

مَنْ اَحَبَّ شَیْءً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ

(زرقانی بحوالہ ابونعیم ودیلمی)

(اس ارشاد کا حاصل یہ ہے) ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کا بکثرت ذکر کرتا ہے ۔۔۔۔بعض علماء فرماتے ہیں:

'محبت یہ ہے کہ انسان اُن امور کی طرف مائل ہوجائے جو اس کے موافق ہوں'

مثلاً حسین صورتیں، اچھی آواز، لذیذ کھانے، خوش ذائقہ مشروبات، روح پرور خوشبو، دلکش ملبوسات اور ان کے علاوہ وہ امور جن کی طرف طبع سلیم کا میلان ناگزیر ہو۔۔۔'طبع سلیم' کی قید سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ وہ طبیعتیں جو خارجی عوارض وعلل کے سبب سخت ترین ہوگئی ہیں اور جن کی قوتِ احساس فاسد ہوگئی ہے اور جو مٹھاس میں بھی کڑواہٹ محسوس کرتی ہیں۔۔۔نیز۔۔۔جن کا ذوق اتنا فاسد ہوگیا ہے کہ خوش ذائقہ چیزوں سے بھی ان کے منہ کا مزہ بگڑ جاتا ہے۔اس طرح کی ساری طبیعتیں خارج از بحث ہیں۔۔یہ ظاہر ہے کہ وہ خوبیاں جو طبیعت کے لائق وموافق ہوں اور جن کی طرف 'طبع سلیم' بے اختیارانہ طور پر مائل ہوجائے، وہی ہیں:

نمبر۱ 'حسن' نمبر۲ 'اِحسان'

'حسن' میں 'حسنِ صورت' بھی ہے جس کا ادراک قوتِ باصرہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور 'حسنِ صوت' بھی ہے جس کا ادراک قوتِ سامعہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔نیز ان کے علاوہ وہ ساری خوبیاں 'دائرہ حسن' میں داخل ہیں جن کا ادراک ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعہ ہوتا ہے اور جن سے طبیعت کو لذّت وفرحت کی دولت میسّر آتی ہے۔۔۔۔یہ بھی خیال رہے کہ ان معانی لطیفہ اور اوصافِ شریفہ کا شمار بھی حسن ہی میں ہے جن کا ادراک بقولِ اہلِ شرع قویٰ باطنہ اور بقول حکماء عقل کے ذریعہ ہوتا ہے۔جس کے نتیجے میں انسانوں کے قلوب، صالحین علماء، نکوکاروں اور اچھی

خصلت والوں کی طرف بے اختیارانہ طور پر مائل ہو جاتے ہیں۔۔۔۔رہ گیا احسان وانعام اور جود وسخاوت کی وجہ سے انعام پانے والوں کا اپنے منعِم کی طرف قلبی جھکاؤ تو یہ بھی ایک فطری ادا ہے۔اس حقیقت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ:

قَدْ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَاءَ اِلَیْھَا

'محسن کی محبت اور دشمن کی عداوت کے عناصر انسانی قلوب کی تخلیق کے وقت ہی ان میں رکھ دیئے گئے ہیں'۔

(مواہب بحوالہ ابونعیم فی الحلیہ وابوشیخ وغیرہما)

زرقانی نے 'جبلت' کی تشریح 'خلقت وطبیعت' سے فرما کر واضح کر دیا کہ محسن کی طرف انسانی قلوب کا جھکاؤ پیدائشی اور طبعی ہے۔جس کے عناصر اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اس کی فطرت میں ودیعت فرما دیئے ہیں۔

اس مقام پر اس بحث کی قطعی ضرورت نہیں کہ 'قدجبلت القلوب۔۔۔۔الخ' سے متعلق یہ تحقیق کی جائے کہ یہ حدیثِ رسول ہے کہ نہیں۔۔۔۔اس لئے کہ یہ حدیث ہو کہ نہ ہو،لیکن اس کا جو مضمون ہے وہ واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ہر طبع سلیم وفہم مستقیم تجربات ومشاہدات اور شعور و ادراک کی روشنی میں اس مضمون کی تائید وتوثیق پر مجبور ہے۔

حدیث زیرِ شرح کے ضمن میں اور خاص طور پر فائدہ نمبر 5 کے تحت مختلف عبارتوں اور نئے نئے انداز سے محبت کی تعریفیں کی گئی ہیں اور محبت کو سمجھانے کے لئے طرح طرح کے اسلوب اختیار کئے گئے ہیں،مگر حقیقت یہ ہے کہ چہرۂ محبت سے پوری نقاب کشائی نہ ہوسکی اور کوئی ایسی تعریف نہ کی جاسکی جس سے محبت کی کیفیت کا صحیح عرفان ہوسکے۔۔۔محبت کی جس تعریف پر بھی آپ غور کریں گے،کسی سے بھی آپ کو اس کیفیت کا ادراک نہ ہوسکے گا جس کا نام محبت ہے۔۔۔ہاں۔۔۔ذکر کی ہوئی جملہ تعریفوں میں تعریف نمبر ۱۳ سے محبت کے حقیقی معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ 'محبت نام ہے میلانِ قلب اور تعلقِ خاطر کا'۔۔۔اس سے بھی محبت کا معنی ہی سمجھا گیا،نہ کہ اس کی کیفیت۔۔۔رہ گئیں اس کے سوا محبت کی دوسری تعریفیں،تو ان میں سے کسی تعریف سے آپ کو محبت کے اسباب وموجبات کا پتہ چل جائے گا،کسی سے اس کی علامات و

شواہد کی معرفت ہو جائے گی، کسی سے اس کے آثار وثمرات کی نشاندہی ہو جائے گی اور کسی میں
اس کے احکام وغیرہ کی تشریح وتوضیح مل جائے گی۔

چہرۂ محبت سے نقاب کشائی نہ ہوسکنے کا سبب یہ ہے کہ محبت خالص وجدانی چیز ہے جس
کی تعبیر لفظوں سے نہیں کی جاسکتی۔ احساسات کو الفاظ وعبارات کے شکنجے میں نہیں جکڑا جاسکتا۔
بوئے گل کو فولاد کی زنجیروں کا پابند نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

نقش الفاظ میں احساس کی تصویر کہاں
بوئے گل کیلئے فولاد کی زنجیر کہاں

بعض محققین کا ارشاد ہے کہ محبت اہل معرفت کے نزدیک ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے
جو منت کشِ تعبیر نہیں ہوسکتی، یہ سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس کی صحیح معرفت اسی کو اپنے
وجدان کے ذریعہ ہوسکتی ہے جو خود اسیرِ محبت ہو۔۔۔ دولت محبت سے جو تہی دست ہے، محبت کو
سمجھنے کی اس کی کوشش ایسی ہی ہے جیسے کوئی شراب پئے بغیر اس کے نشے کی کیفیت کا پتہ لگانا
چاہے۔۔۔ یا۔۔۔ خود کو آگ میں جلائے بغیر آگ کی حرارت کو لفظوں اور عبارتوں سے سمجھنا
چاہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ایک وجدانی حقیقت کو عقل سے سمجھنے کی کوششوں کو نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ وہ اور پردہ خفاء میں پہنچ جاتی ہے۔ اور فہم وادراک اس کی معرفت سے بہت دور ہو جاتے
ہیں۔۔۔ المختصر۔۔۔ محبت کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جاسکتی جو خود اسی ''لفظ محبت'' سے زیادہ
واضح ہو۔ خود محبت کرنے والا محبت کو اپنے وجدان سے سمجھ تو لیتا ہے لیکن اپنے لفظوں سے سمجھا نہیں
سکتا۔ سچ کہا کہنے والوں نے 'الحسن یدرک، لا یوصف' 'خوبصورتی سمجھی جاتی ہے، بیان نہیں کی
جاتی'۔ یعنی ایسی عبارت میں اس کا بیان ممکن نہیں جو مخاطب کو وہ سمجھا دے جو خود بیان کرنے والا
اپنے مشاہدہ وعلم سے سمجھ چکا ہے۔

(۵) زرقانی شرح مواہب ج۶ صفحہ ۳۲۱ میں ہے:

'(اذا کان الا نسان یحب من منحه)'
ای اعطاه (فی دنیاه) ای حیاته فی الدنیا (مرة او مرتین معروفا)
ای شیئا حسنا۔ (فانیا منقطعا) ای زائلا فی زمن قلیل

(اواستنقذه) نجاه (من مهلكة) امر مهلك (اومضره) بفتح الميم والضاد أمر يضره ويوذيه (لاتدوم) مدة ذلك (فمابالك بمن منحه منحا لاتبيد) بكسرالمو حدة واسكان التحتية لاتذهب و تنفد (ولاتزول) عطف تفسير من نعيم الخلد فى الجنة (ووقاه) بالتشديد والتخفيف صانه (من العذاب الاليم) عذاب النار (مالا يفنى ولايحول) عنه الى غيره فهذا احق ان يحب من كل شيئى يحب حتى من نفسه وماله واهله (واذاكان المحب يحب غيره على) اى لاجل (مافيه من صورة جميلة و سيرة حميدة) كملك وقاض و ان كان بعيد الدار عنه ولم يره (فكيف بهذا النبى الكريم والرسول العظيم الذى لااكرم ولا اعظم منه) (الجامع لمحاسن الاخلاق والتكريم المانح) المعطى (لنا جوامع المكارم و الفضل العميم فقد اخرجنا الله به من ظلمات الكفر الى نورالايمان) بالا ضافة البيانية فيهما اومن اضافة الاعم الى الاخص (وخلصنا به من نارالجهل الى جنات المعارف والا يقان فهو السبب لبقاء مهجنا)بضم ففتح (البقاء الابدى) الدائم (فى النعيم السرمدى) اى المتواصل الذى لا ينقطع (فاى احسان اجل قدراً) رتبة (و اعظم خطرا) بفتح الخاء المعجمة والطاء المهملة اى قدرا اؤ شرفاغاير بينهما تفتنا (من احسانه الينا) معاشرالمسلمين وخصهم لانهم هم المنتفعون به وان كان احسانه عاماً و اى للتعظيم والتفخيم كما يقال عندى رجل اى رجل اى كامل الرجولية (فلامنة و حياته) قسمى (لاحد بعدالله كماله علينا ولا فضل لبشر) ولا لملك (كفضله لدينا) عندنا و قيد بالبشر لانه المشاهد فضله (فكيف ننهض) نقوم بسرعة (ببعض شكره) على ماؤ لانا (او)كيف (نقوم من واجب حقه بمعاشاره عشره فقد منحنا الله به منح الدنيا و الاخرة واسبغ) اوسع واتم (علينا) بسببه (نعمه) اى الله (باطنة) وهى المعرفة وغيرها (وظاهرة) حسن الصورة وتسوية الاعضاء (فاستحق صلى الله عليه وسلم ان يكون حظه) نصيبه (من محبتنا اوفى) اتم (وازكى) اطهر (من محبتنا لانفسنا واولادنا واهلينا واموالنا والناس اجمعين) عطف عام على خاص وهو كثير (بل) انتقال (لوكان

فی کل منبت) محل نبات (شعرة منامحبة تامة له صلوات الله وسلامه علیه لکان ذلک بعض مایستحقه علینا)"

'جب انسان محبت کرتا ہے اس سے جو اسے اس کی حیاتِ دُنیوی میں ایک بار یا دو بار کوئی اچھی چیز عطا کر دے، ایسی چیز جو تھوڑے ہی زمانہ میں فنا ہو جانے والی ہو۔۔۔۔یا۔۔۔۔وہ اسے کسی مہلک امر یا اذیت دینے والی چیز سے جو ہمیشہ رہنے والی نہیں، نجات دیدے۔۔۔۔تو پھر۔۔۔۔کیا تمہارا خیال ہے اس کے بارے میں جس نے انسان کو ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو نہ ہلاک ہونے والی ہیں اور نہ ختم ہونے والی، یعنی جنت کی لازوال نعمتیں۔۔۔۔اور اس نے انسان کو اس دردناک عذاب جہنم سے بچایا جو نہ فنا ہونے والا ہے اور نہ کسی غیر کی طرف پھر جانے والا ہے۔

تو ایسا محسن اس بات کا پورا حق رکھتا ہے کہ ہر محبوب شے یہاں تک کہ اپنی جان، اپنے مال اور اپنی اہل سے بھی زیادہ اس کی محبت کی جائے ۔۔۔۔اور جب ایک چاہنے والا اپنے غیر سے اچھی صورت اور اچھی سیرت کی وجہ سے محبت کرتا ہے خواہ وہ اس سے دور رہتا ہو اور اس نے اس کو دیکھا بھی نہ ہو۔ مثلاً بادشاہ اور حاکم وغیرہ۔۔۔۔۔تو کیسی شان ہوگی اس نبی کریم اور رسولِ عظیم کی جس سے بڑھ کر نہ کوئی کرم والا ہے نہ عظمت والا۔ جو تمام محاسنِ اخلاق وتکریم کا جامع ہے اور جو ہمیں فضلِ عمیم اور جوامع المکارم کا عطا کرنے اور فرمانے والا ہے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کے ذریعہ کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان کے نور تک پہنچایا اور آپ ہی کے ذریعہ جہالت و نادانی کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ہم کو چھٹکارا دلا کر علم و یقین اور معارف وایقان کے سرسبز باغوں میں پہنچا دیا۔ پس آپ ہی لازوال آسودہ حالی اور غیر فانی آرام میں ہمارے چہروں کی رونق وشادابی کی بقاء دوام کا سبب ہیں۔ پس وہ کون سا احسانِ عظیم ہے جو شرف اور مرتبہ میں اس احسان سے بھی زیادہ جلیل ہو جو آپ نے سب پر بالخصوص ہم پر فرمایا ہے۔ پس قسم ہے آپ کی حیاتِ طیبہ کی کہ خدا کے بعد آپ نے جو ہم پر احسان فرمایا ہے اس سے بڑھ کر اور بالاتر کسی کا بھی احسان نہیں اور کسی انسان یا کسی فرشتہ کا فضل وکرم آپکے فضل وکرم جیسا نہیں جس سے آپ نے ہمیں نوازا ہے۔ آپ نے ہم کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور جو احسانات کئے ہیں اس پر شکر کے بعض حصے سے بھی ہم یکبارگی کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور آپ کے واجب الاداحقوق عشر عشیر بھی ہم کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ بے شک اللہ نے آپ کے ذریعہ دنیا وآخرت کی نعمتوں سے ہم کو نوازا اور آپ ہی کے سبب سے اللہ نے اپنی نعمتوں کو وسیع اور مکمل فرما دیا باطن میں علم ومعرفت دے کر اور ظاہر میں حسنِ صورت اور اعضاء کا تناسب عطا فرما کر۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا پورا حق رکھتے ہیں کہ ہم کو اپنی ذات، اپنی اولاد، اپنی زوجہ، اپنے اموال اور تمام لوگوں سے جتنی اور جیسی محبت ہے، اس سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور اس

سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر کامل واکمل محبت آپ کی ذات سے ہو۔اگر ہمارا ہر بُنِ مُو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ تامہ کا حامل ہو جائے تو کہیں جا کے آپ کے جملہ حقوق کا بعض حصہ ادا ہو

خیر الثقیاء حضرت علامہ فقیہ، امام قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی اندلسی المتولد ۴۹۶ھ والمتوفی ۵۴۴ھ قدس سرہ العزیز اپنی عظیم تصنیف ''کتاب الشفاء بہ تعریف حقوق المصطفیٰ'' میں نبی کریم سے محبت کے معنی وحقیقت کی وضاحت اور پھر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبوبیت کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

'اختلف الناس فی تفسیر محبة اللّٰه ومحبةالنبی صلی اللّٰه علیه وسلّم وکثرة عبارتهم فی ذالک ولیست ترجع بالحقیقة (وفی نسخةِ فی الحقیقة)الی اختلاف مقال ولکنها اختلاف احوال فقال سفین المحبة اتباع الرسول صلی اللّٰه علیه وسلّم کانه التفت الی قوله تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللّٰه فاتبعونی الایة وقال بعضهم محبة الرسول اعتقاد نصرته والذب عن سنته والانقیا دلها وفی نسخة له هیبة مخالفته وقال بعضهم المحبة دوام الذکر للمحبوب (وفی نسخة ذکرالمحبوب) وقال اٰخر ایثار المحبوب وقال بعضهم المحبة الشوق الی المحبوب وقال بعضهم المحبة مواطا ة القلب لمراد الرب یحب مااحب (وفی نسخةیحب) ویکره ماکره (وفی نسخة یکره) وقال اٰخر المحبة میل القلب الی موافق له واکثر العبارات المتقدمة اشار ة الی ثمرات المحبة دون حقیقتها و حقیقه المحبة المیل الی مایوافق الانسان و تکون موافقته له امّا لاستلذاذه بادراکه کحب الصور (وفی نسخة الصور ة) الجمیلة والاصوات الحسنة والاطعمه والاشربه الذیذة واشباهها مماکل طبع سلیم مائل الیها لموافقتها له اولا ستلذاذه بادراکه بحسا ة عقله وقلبه معانی باطنة شریفة کحب الصالحین والعلماء واهل المعروف والماثور عنهم السیر الجمیلة والافعال الحسنة فان طبع الانسان مائل الی الشغف بامثال هٰؤلاءِ حتی یبلغ التعصب لقومِ (وفی نسخة حین یبلغ التعصب لقومِ) والتشیع من امة فی اخریٰ

(وفی نسخة اخریٰ) مایؤدّی الی الجلاء عن الا وطان وهتک الحرم و احترام النفوس اویکون حبه ایاه لموافقته له (الیه) من جهة احسانه له و انعامه علیه فقد جبلت النفوس علی حب من احسن الیها (الیه) فاذا تقررلک هذا نظرت هٰذہٖ الاسباب کلها حقه صلی اللّٰه علیه وسلّم فعلمت انّه صلی اللّٰه علیه وسلّم جامع لهذه المعانی الثلٰثة الموجبة للمحبة جمال الصورة والظاهر وکمال الاخلاق والباطن فقد قررنا منها قبل فیما من الکتاب مالا یحتاج الی زیادة وامّا احسانه وانعامه علی امته فکذلک قدمرمنه فی اوصاف اللّٰه تعالٰی له من رافته بهم ورحمة لهم و هدایته ایّاهم و شفقته علیهم و استنقاذهم به من النار وانه بالمومنین رؤف رحیم ورحمةللعالمین ومبشرا و نذیرا و داعیاً الی اللّٰه باذنه ویتلوعلیهم الکتاب والحکمة ویهدیهم الٰی صراط مستقیم فای احسان اجل قدرا و اعظم خطر امن احسانه الی جمیع المومنین و ای افضال اعم منفعة واکثرفائدة من انعامه علی کافة المسلمین اذکان ذریعتهم الی الهدایة ومنقذهم من العمایة وداعیهم الی الفلاح والکرامة ووسیلتهم الی ربهم وشفیعهم والمتکلم عنهم والشاهد لهم والموجب (والمحب) لهم البقاء الدائم والنعیم السرمد فقد استبان لک انه صلی اللّٰه علیه وسلم مستوجب للمحبة الحقیقة شرعاً بما قدمناه (لمامر) من صحیح الاثار و عادةً وجبلةً بما ذکرناه اٰنفاً لافاضته الاحسان وعمومه الاجمال فاذاکان الانسان یحب من منحه فی دنیاه مرة اومرتین معروفاً اواستنقذه (او انقذه) من تهلکة اومضرة مدة التاذی بها قلیل منقطع فمن منحه ما لا یبیدمن النعیم (من النعیم) و وقاه مالا یفنی من عذاب الجحیم اولٰی بالحبّ (بالمحبة) واذاکان یحب بالطبع ملک لحسن سیرته لما یوثرمن قوام طریقته اوقاض بعید الدار لما یشاد (فشا) من علمه او کرم شمیته فمن جمع هذاالخصال علی غایة مراتب الکمال احق بالحب و اولٰی بالمیل و قد قال علی

رضی اللّٰه عنه فی صفته صلی اللّٰه علیه وسلّم من راه بدیهة هابه ومن خالطه معرفة احبّه و ذکرنا عن بعض الصحابة انه کان لا یصرف بصره عنه محبة فیه'۔
(الشفاء)

'نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ اور اس کے نبی کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں۔ البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محبت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اتباع کا نام ہے۔ غالبًا انہوں نے اللہ کے اس فرمان کی طرف توجہ فرمائی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

'فرما دو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو'

بعض علماء نے فرمایا کہ رسول کی محبت یہ ہے کہ آپ کی نصرت و مدد کو لازم جانے، آپ کی سنت کی حمایت کرے، سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔ بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کا ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جان نثاری محبت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کی طرف شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب تعالیٰ کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے، جس کو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے۔ بعضوں نے کہا کہ طبیعت کے موافق چیزوں کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ وثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف۔ اور محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز طبع انسانی کے موافق ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو۔ اب اس کی یہ موافقت یا تو اس لئے ہوگی کہ اس کے پالینے سے اس کو حسّی لذّت حاصل ہوگی جیسے حسین وجمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر 'سلیم الطبع' اس کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ سب اس کی طبیعت کے موافق ہیں۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ اس لئے کہ برتر و اعلیٰ معانی باطنی کو حاسہء عقل وقلب کے ذریعہ پانے سے وہ معنوی لذّت حاصل کرتا ہے جیسے علماء وصلحا وعرفاء اور ان لوگوں کی محبت جن کی سیرتوں کی پاکیزگی مشہور ہے اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں کیونکہ طبع انسانی ان امور کی طرف مائل ہے یہاں تک کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسرے کے حق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلاوطنی (ترک سکونت) بڑوں کی ہتک اور جانوں کو

ہلاک کر دیتے ہیں ۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔اس کی محبت اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے احسان و انعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔ جب یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو چکی تو اب ان تمام اسباب و علل کے لحاظ سے حضور ﷺ ان تینوں معانی کے جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں جامع ہیں چنانچہ آپ کی ظاہری صورت کا جمال، کمالِ اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں مزید بیان کی اصلاً حاجت نہیں، اب رہا آپ کا اپنی امت پر احسان و انعام سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے امت پر آپ کی شفقت و رحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو ہدایت فرمائی اور کیونکر ان پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین اور یہ کہ آپ مبشر، نذیر اور باذن الٰہی داعی الی اللہ ہیں آپ نے ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت فرمائیں، ان کا تزکیہ نفس کیا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی (وغیرہ وغیرہ جو سب پہلے مذکور ہو چکا ہے) تو اب وہ کون سا احسان ہے جو مسلمانوں کے لئے آپ کے احسان سے بڑھ کر قدر و منزلت والا ہے اور کون سی کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے تمام مسلمانوں پر آپ کے انعام سے زیادہ عام اور سود مند ہو۔ کیونکہ آپ ہی تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے۔ آپ ہی تو ان کو جہالت و ضلالت سے نکالنے والے اور فلاح و کرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ہی تو ان کے رب کی طرف وسیلہ، شفیع اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ہی ان کے گواہ اور ان کی دائمی بقا اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔ یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور ﷺ حقیقی محبت کے از روئے شرع بھی مستحق و مستوجب ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں اور از روئے طبیعت و عادت بھی۔ جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا، کیونکہ آپ کے احسانات عام ہیں۔ پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفعہ احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت و نقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونے والی ہو، تو جو ذاتِ کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو کبھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔ اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسنِ سلوک معروف ہو، یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم و کرم اور عمدہ خصلتیں مشہور ہوں، محبوب رکھتا ہے تو وہ ذاتِ اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال

کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں، زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔ مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف پاک سے متعلق ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا وہ خوف زدہ ہو جاتا اور جسے آپ کی جان پہچان حاصل ہو جاتی وہ آپ سے محبت کرنے لگتا۔ ہم نے بعض صحابہ سے متعلق پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آپ کی محبت کی وجہ سے آپ کی طرف سے آنکھیں نہ پھیرتے تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لازم وضرری ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

'قُلْ اِنْ کَانَ آبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَاؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَ فْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسَاکِنُ تَرْضَوْنَھَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ'

(القرآن)

'تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا'۔

صاحبِ مرات شرح مشکوٰۃ اپنی گرانقدر تالیف 'نور العرفان فی حاشیۃ القرآن' میں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ کافرہ بیوی (جب کہ اس سے نکاح جائز تھا) اور کافر ماں باپ وغیرہ اہل قرابت کے حقوق شرعیہ ادا کرنا جائز ہے۔ مگر ان سے دلی محبت کرنا حرام ہے۔ دل کا میلان اللہ اور رسول کے دشمنوں کی طرف نہ ہونا چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار سے دلی محبت رکھنا کفر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب خالق ومخلوق کے حقوق کا مقابلہ ہو جائے تو خالق کا حق مقدم ہے۔۔۔۔ عشیرۃ میں سارے سسرالی، نسبتی قرابت دار، اور قومی بھائی داخل ہیں۔۔۔۔ مال میں کمائی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اپنی کمائی کا مال میراث وغیرہ سے زیادہ پیارا ہوتا ہے کیونکہ محنت سے ملتا ہے۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی چیزوں سے محبت کرنا حرام نہیں، ہاں اللہ ورسول کے مقابلہ میں ان سے محبت کرنی حرام ہے۔

ناجائز محبتیں بھی حرام ہیں۔۔۔۔اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا حضور نے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور سے طبعی محبت چاہئے نہ کہ محض عقلی کیونکہ انسان کو اولاد وغیرہ سے طبعی محبت ہوتی ہے۔یہاں اس سے مقابلہ فرمایا گیا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ سے محبت اس قسم کی چاہئے جس قسم کی محبت اللہ سے ہوتی ہے یعنی عظمت و اطاعت والی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ حضور سے محبت کرنی شرک نہیں بلکہ ایمان کا رکن ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ دل میں حضور کی محبت نہ ہونا کفر ہے کیونکہ اس پر عذاب کی وعید ہورہی ہے۔

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمتہ والرضوان مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کو نقل فرما کر رقم طراز ہیں:

فکفی بھذا حضا و تنبیھا و دلالۃ وحجۃ علی الزام محبتہ (التزام محبتہ) و وجوب فرضھا وعظم خطرھا واستحقاقہ لھا ﷺ اذقرع تعالیٰ من کان مالہ و اھلہ و ولدہ احب لیہ من اللّٰہ ورسولہ واوعدھم بقولہ تعالیٰ فتر بصواحتی یاتی اللّٰہ بامرہ فسبقھم بتمام الایۃ واعلمھم انھم ممن ضل ولم یھدہ اللّٰہ وعن عمر بن الخطاب ؓ انہ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لانت احب الی من کل شیء الا نفسی التی بین جنبتی فقال النبی ﷺ لن یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ فقال عمروالذی انزل علیک الکتاب لانت احب الی من نفسی التی بین جنبتی فقال النبی ﷺ الان یاعمر قال سھل من لم یرولایۃالرسول فی جمیع الاحوال ویری نفسہ فی ملکہ ﷺ لا یذوق حلاوۃ سنتہ لان النبی ﷺ قال لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ ..... الحدیث.

(الشفا)

یہ آیت کریمہ آپ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض واہم ہونے اور آپ ہی کو اس محبت کے اصل مستحق قرار دینے میں ترغیب وتنبیہ اور دلیل وحجت کے لئے کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت سرزنش اور تنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ تعالیٰ

اوراس کے رسول کی محبت سے زیادہ سمجھا ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ''تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے'' آخیر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلایا کہ یہ لوگ بلاشبہ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی توفیق نہ دی (حدیث زیر شرح اور حدیث حلاوۃ ایمان کو ذکر فرما کر لکھتے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے حضور سے عرض کیا بے شک میرے نزدیک آپ میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔اس پر حضور نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بنالے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی یقیناً آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔اس وقت حضور نے فرمایا اے عمر اب تم (کامل الایمان) ہو گئے۔حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی ولایت وحکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو آپ کی ملک نہیں تصور کرتا وہ حضور کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھ سکے گا کیونکہ نبی کریم کا ارشاد ہے تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کی جان سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

علامہ نووی علیہ الرحمۃ والرضوان حدیث زیر شرح کے تحت اپنی شرح مسلم میں ارشاد فرماتے ہیں:

قال الامام ابوسليمان الخطابي لم يرد به حب الطبع بل اراد به حب الاختيار لان احب الانسان نفسه طبع ولاسبيل الى قلبه قال فمعناه لا تصدق فى حبى حتى تفنى فى طاعتى نفسك و توثر رضائى على هواك وان كان فيه هلاكك هذا كلام الخطابى وقال ابن بطال والقاضى عياض وغيرهما رحمة الله عليهم المحبة ثلاثة اقسام محبة اجلال واعظام كمحبة الوالد و محبة شفقة ورحمة كمحبة الولد و محبة مشاكلة واستحسان كمحبة سائر الناس فجمع صلى الله عليه وسلّم اصناف المحبة فى محبته قال ابن بطال رحمة الله ومعنى الحديث ان من استكمل الايمان علم ان حق النبى صلى الله عليه وسلم اكد عليه من حق ابيه وابنه والناس اجمعين لان به صلى الله عليه وسلّم استنقذ نامن النار وهدينا من الضلال قال القاضى عياض رحمة الله ومن محبته صلى الله عليه وسلّم نصرة سنته والذب عن شريعته و تمنى حضور

حیاتہ فیبذل وتمنی ودراکہ فی حیاتہ لیبذل الخ (مرقات)
مالہ ونفسہ دونہ قال واذا تبین ماذکرناہ تبین ان حقیقتہ
الایمان لایتم الابذالک ولایصح الایمان الا بتحقیق اعلاء
قدرالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ومنزلتہ علی کل والد و
ولد ومحسن و مفضل ومن لم یعتقد ھذا و اعتقد سواہ
فلیس بمومن ھذا کلام القاضی رحمۃ اللّٰہ واللہ اعلم۔
(نووی شرح مسلم)

امام ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں محبت سے حُبِ اختیاری مراد ہے نہ کہ حُبِ طبعی۔ کیونکہ انسان کی اپنی ذات سے محبت طبعی ہے جس کو پلٹ دینے کی کوئی صورت نہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ حدیثِ پاک کا حاصل معنی یہ ہوا کہ ''تم میری محبت میں اس وقت تک سچے نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے کو میری اطاعت میں فنا نہ کردو اور میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے لو اگرچہ اس میں تمہاری جان کی ہلاکت ہی کیوں نہ ہو''۔۔۔۔مذکورہ باتیں خطابی کی ہیں۔ ابن بطال، قاضی عیاض اور ان کے سوا دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ محبت کی تین قسمیں ہیں: ایک 'محبتِ اجلال واعظام' مثلاً والد کی محبت، دوسری ''محبتِ شفقت و رحمت'' جیسے اولاد کی محبت، تیسری ''محبتِ مشاکلت واستحسان'' مثلاً تمام دوسرے لوگوں کی محبت (مشاکلت کہتے ہیں موافقت کو اور استحسان کا معنی ہے اچھا جاننا) تو حضور ﷺ نے تمام اقسامِ محبت کو اپنی محبت میں جمع فرما دیا۔ ابنِ بطال فرماتے ہیں کہ حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جس نے اپنے ایمان کو مکمل کر دیا اس کو اس بات کا یقینی علم حاصل ہو گیا کہ نبی ﷺ کا حق اپنے باپ، بیٹے اور دوسرے تمام لوگوں کے حقوق سے زیادہ موکد ہے اس لیے کہ آپ ہی کے ذریعہ ہم کو جہنم سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور گمراہی سے الگ کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن کیا۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت کی نصرت، آپ کی شریعت کی حمایت پر، آپ پر جان و مال قربان کرنے کیلئے، آپ کی حیات طیبہ میں آپ تک پہونچنے کی آرزو اور تمنا، یہ سارے امور آپ کی محبت کی علامتیں ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں کہ جب ہمارے ذکر کردہ امور واضح ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ نفس ایمان کا کمال ان ہی سے ہے اور ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس بات کی تصدیق نہ کر دی جائے کہ نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت تمام باپ، بیٹوں، احسان اور فضل کرنے والوں پر بلند و برتر ہے۔ جس نے اس کا اعتقاد نہیں کیا بلکہ اس کے سوا کسی اور چیز کا معتقد ہوا تو وہ مومن ہی نہیں۔۔۔۔ یہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے، واللہ علم

حُبِ طبعی اور حُبِ اختیاری کی تقسیم کے متعلق فائدہ نمبر۴ کے ضمن میں اپنے معروضات

پیش کر چکا ہوں ۔۔۔رہ گئیں زرقانی اور نووی کی منقولہ عبارتیں تو وہ اس قدر واضح ہیں کہ ان کی مزید تشریح کی قطعی ضرورت نہیں ۔ان تمام عبارتوں پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس امر میں سارے علماء کا اتفاق ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت لازم وضروری ہے ۔اب پہلا اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ قرانِ حکیم اور احادیثِ کریمہ میں نبی کریم کی ذات اقدس سے محبت کرنے کا جو حکم ملتا ہے آخر وہ کس طرح کی محبت کا حکم ہے؟ ۔حُبِّ عقلی کہ حُبِّ طبعی ؟ (خیال رہے کہ یہ گفتگو اس مفروضے پر ہے کہ بنام حُبِّ عقلی بھی محبت کی ایک قسم ہے) ۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ قرآن واحادیث کے ذریعہ جو محبتِ نبوی مطلوب ہے وہ نفسِ ایمان کے لیے ضروری ہے یا کمالِ ایمان کے لیے؟

امام ابوسلیمان خطابی کا خیال ہے کہ یہاں حُب سے حُبِّ عقلی، بلفظ دیگر حُبِّ اختیاری مراد ہے، جیسا کہ حوالہ گذر چکا ہے ۔اکثر وبیشتر علماء نے امام خطابی ہی کے خیال کی تائید فرمائی ہے ۔چنانچہ آیت کریمہ احب الیکم من اللہ ورسولہ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر ابی سعود اور صاحبِ تفسیرِ روح البیان رقم طراز ہیں:

﴿اَحَبَّ اَلَیْکُمۡ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾

بالحب الاختیاری (المراد الحب الاختیاری الخ روح البیان) المستتبع لاثره الذی هو الملا زمة وعدم المفارقة لا الحب ا لجبلی الذی لا یخلو عنه البشر فانه غیر داخل تحت التکلیف الدائر علی الطاقة۔

(ابوسعود)

آیت کریمہ میں محبت سے مراد حُبِّ اختیاری ہے جو اپنے اثر یعنی محبوب سے چمٹے رہنے اور نہ جدا ہونے (وغیرہا) کے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کی داعی ہے ۔یہاں محبت سے مراد طبعی محبت نہیں جس سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں ۔حُبِّ طبعی کے مراد نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف جس کی بنیاد استطاعت ہے اس کے تحت یہ محبت داخل نہیں ۔

ان تائید کرنے والوں کے علاوہ بھی بعض جلیل القدر مویدین کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں ۔۔۔یہ سارے علما حُبِّ عقلی کو حُبِّ طبعی کا قسیم اور مدمقابل قرار دیتے ہیں اور حُبِّ عقلی کی جو

تعریف کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حُبِّ عقلی محبت کی ایک ایسی قسم ہے جس میں اول سے آخر تک عقل کی کارفرمائی ہے اوراس میں طبعیت کی مداخلت یا بلفظ دیگر طبعی میلان کا ذرہ برابر بھی شائبہ تک نہیں۔ نیز جس کا وجود کراہتِ طبع کے ساتھ بھی ہوجاتا ہے۔ ورق الٹ کر دیکھئے فائدہ ۴ کے ضمن میں 'مرقات' اور 'زرقانی' کی ان تعریفوں کو ان مثالوں کو جن کے ذریعہ حُبِّ عقلی کی تفہیم کرائی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان تعریفوں اور پھر ان مثالوں پر غور کرلینے کے بعد آپ میری مذکورہ بات کی تائید فرمائیں گے ـــــ اور پھر آپ یہ بخوبی سمجھ لیں گے، کہ حُبِّ عقلی اور حُبِّ طبعی کی تقسیم سے متعلق فائدہ نمبر ۴ کے ضمن میں ان علمائے کرام کی بارگاہ میں میں نے جو معروضہ پیش کیا ہے اس کی بنیاد نزاعِ لفظی پر نہیں۔

اس مقام پر مناسب سمجھتا ہوں کہ اس بات کی بھی وضاحت انہی علمائے کرام کی تحریروں کی روشنی میں کردوں کہ آخر کس حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر ان حضرات نے اس تقسیم کی ضرورت سمجھی اور پھر حُبِّ عقلی کی داغ بیل ڈالی، نیز حُبِّ عقلی میں میلانِ طبع کی ادنیٰ شرکت بھی گوارا نہیں فرمائی ـــ بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جابجا مختلف انداز میں خدا اور رسول ﷺ کی محبت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ نیز ہر مکلّف کو محبتِ خدا اور رسول کی تکلیف دی گئی ہے۔ اب جب ہم محبت کے لغوی معنی کی تحقیق کے لیے کتب لغت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو 'مصباح اللغات' کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں۔

المحبۃ: مرغوب چیزوں کی طرف طبیعت کا میلان ـــ

'اقرب الموارد' یوں آواز دیتی ہے۔

المحبۃ: میل الطبع الی الشیٔ الملذ ویقابلھا البغض وھو نفور الطبع من المولم المعتب۔

'محبت نام ہے مرغوب ولذیذ شے کی طرف طبیعت کے میلان کا'

محبت کا مقابل بغض ہے، تکلیف دینے والی اور مشقت میں ڈالنے والی چیزوں سے طبیعت کا دور بھاگنا بغض ہے۔

کتبِ لغت سے الگ ہوکر جب عرفِ عام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہاں بھی محبت

کے لفظ سے جو معنی سمجھا یا جاتا ہے وہ تعلقِ خاطر اور میلانِ طبع ہی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان ایک غیر اختیاری عمل ہے اور غیر اختیاری اعمال بداھۃً انسانی دائرہ استطاعت سے باہر ہیں۔ پس جو چیز انسانی طاقت سے باہر ہو، انسان کو اس کے کرنے پر مجبور کرنا اور انسان کو اس کی تکلیف دینی ایک ایسی چیز کی تکلیف دینی ہے جس کو عالمِ وجود میں لانے پر انسان قادر نہیں۔ اسی کو قانونی زبان میں 'تکلیف مالایطاق' کہتے ہیں اور 'تکلیف مالایطاق' حکمتِ خداوندی اور مصلحتِ ایزدی کے سراسر خلاف ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کی محبت کا حکم دینا 'تکلیف مالایطاق' ہے جو حکمتِ خداوندی سے ممکن نہیں۔ خود ارشاد ربانی ہے۔

'لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفساً اِلَّا وُسعَھَا'

'اللہ طاقت سے زیادہ کسی نفس پر بوجھ نہیں ڈالتا'

دیکھا آپ نے! یہ تھی اصل وجہ جس نے علماء کو مجبور کیا کہ وہ محبت کو ایک ایسے معنی میں استعمال کی راہیں نکالیں جس میں میلانِ طبع کا عنصر شامل ہی نہ ہو۔ لہٰذا انہوں نے محبت کی دو قسمیں کر دیں۔ ایک تو وہی جو لغۃً و عرفاً محبت ہے اور دوسری وہ جس کو اصطلاحاً محبت کا نام دے دیا گیا۔ عرف ولغت والی محبت کو حُبِّ طبعی اور اصطلاحی محبت کو حُبِ عقلی اور حُبِّ اختیاری کہا جانے لگا۔

ان علمائے کرام کی بارگاہ میں فائدہ نمبر ۴ کے ضمن میں میں نے جو معروضہ پیش کیا ہے اس مقام پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مزید برآں عرض یہ ہے کہ نظریاتی طور پر حُبِّ عقلی کی کیسی بھی تعبیر کیوں نہ ہو، پیش کی جائے۔ لیکن ذہنی تگ و دو سے الگ ہو کر جب ہم رسول کریم کے کسی 'مُحبِّ عقلی' کی تلاش میں نکلیں گے تو ہم کو خالص مُحبِّ عقلی وہی مل سکے گا، جو دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہوگا۔ ان میں کچھ 'ہرقل' جیسے ہوں گے۔ جو نبی کی صداقت کا یقین واذعان حاصل کر لینے کے بعد بھی اپنے کو رسولِ عربی کی غلامی کے شرف سے مشرف نہ کر سکیں گے اور کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے کو نفاق کی چادر میں چھپائے ہوئے نظر آئیں۔۔۔۔ چونکہ بارگاہِ نبوت میں قلبی جھکاؤ، تعلقِ خاطر اور میلان طبع کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس حُبِّ عقلی کا

تعلق ایمان سے کیا ہو سکتا ہے جس میں خوب و ناخوب، حق و باطل، صواب و خطا، طیب و خبیث اور پسندیدہ و ناپسندیدہ کے مابین عقل کے واضح فیصلے تو ملتے ہوں لیکن دل کا جھکاؤ، طبیعت کا میلان اور تعلقِ خاطر نہ ملتا ہو۔

غور فرمائیے کہ حبِ عقلی کی تعریف یہی تو کی جاتی ہے کہ حبِ عقلی وہ ہے جو ان تمام امور کو اپنا لینے اور اختیار کر لینے کی موجب ہو، عقل جن کے اپنا لینے کی داعی و متقاضی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ اپنائے کون؟ عقل یا قلب؟ ۔۔۔ اگر عقل ہی کا اپنانا حبِ عقلی ہے تو اشکال اپنی جگہ پر رہا۔ اس لیے کہ یقین واذعان کر لینا ہی تو عقل کا اپنانا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کسی اچھے کی اچھائی کا یقین واذعان اس پر ایمان کو مستلزم نہیں۔

اور اگر مطلب یہ ہے کہ عقل جس کے اپنا لینے کی متقاضی ہو قلب اس کو اپنا لے۔ تو اب مجھے بتایا جائے کہ قلبی جھکاؤ، تعلقِ خاطر اور میلانِ طبع کے بغیر قلب کے اپنا لینے کی کیا صورت ہے؟ خیال رہے کہ کسی ناپسندیدہ چیز کو طبیعت کا گوارہ کر لینا اور چیز ہے۔ اور ان کو اپنا محبوبِ نظر بنا لینا اور چیز۔

اس مقام پر دوا کی مثال عموماً دی گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حبِ عقلی کی تعریف میں عقل وقلب کا اپنا لینا زیرِ بحث نہیں، بلکہ یہاں خود عقل والے کے اپنا لینے کا ذکر ہے۔ یعنی عقل جس چیز کے اپنا لینے کی دعوت دے عقل والا اسے اپنا لے۔ جیسے عقل دوا استعمال کرنے کی متقاضی ہوئی مریض نے اس کو کراہتِ طبع کے باوجود استعمال کر لیا تو دوا عقلاً محبوب ہوئی اور طبعاً مکروہ، لہذا دوا سے جو محبت ہے وہ خالص حبِ عقلی ہے۔

میں فائدہ نمبر ۱۲ کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ دوا مریض کو نہ طبعاً محبوب ہے نہ عقلاً۔ مریض کو دراصل صحت سے محبت ہے اور اسی محبوب تک پہونچنے کے لیے وہ ضرورتاً دوائیں استعمال کرتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ مریض دوا بر بنائے محبت استعمال نہیں کرتا، بلکہ وہ اسے بر بنائے ضرورت اپناتا ہے محبوب تک پہونچنے کے لیے جن تکلیفوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ تکلیفیں بذاتِ خود مقصود و مطلوب نہیں ہوا کرتیں۔ نہ عقلاً مقصود و مطلوب ہوتی ہیں نہ طبعاً، ان

شدائد کو عقل کی سفارش پر اپنانے والا انہیں صرف اس لیے اپناتا ہے تاکہ وہ اپنے محبوب ومطلوب کے وصال وقرب سے لذت اندوز ہوسکے۔اسی لیے۔اگر بالفرض دوائیں استعمال اور تکالیف و شدائد اختیار کئے بغیر بھی مطلوب ومحبوب تک بہ آسانی پہونچنے کی صورت نکل آئے تو دواؤں کا استعمال کرنا اور تکالیف کا برداشت کرنا دونوں غیر معقولیت کے خانے میں آجاتے ہیں۔تو غور فرمایئے کہ جو سرے سے ہی مقصود ومطلوب نہ ہو بلکہ حصولِ مقصود کا صرف ایک ذریعہ ہو،اس کو مریض کا محبوب قرار دینا کیسے سمجھ میں آئے۔۔۔الختصر۔۔۔ذاتِ انسانی میں کسی ایسے وصف کا وجود غیر متصور ہے جو عقلِ سلیم کے تقاضے کے مطابق نبی کریم کے حقوق کی ترجیح کا محرک وموجب ہو۔لیکن رسول کی ذات رسالت کی طرف میلانِ قلب کا مستدعی نہ ہو۔عقلِ سلیم تو خود ہی ذات کی طرف طبع مستقیم کے میلان کی داعی ومتقاضی ہے۔ایسی صورت میں نبی کریم کو ایسا محبوبِ عقلی بنانا جس کی طرف طبیعت کا میلان غیر ضروری ہو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس لئے کہ طبیعت کے میلان نہ ہونے کی صورت میں صرف عقل کی استدعاء پر کسی کے حقوق کی پرخلوص ترجیح انسانی فطرت کے خلاف ہے۔اس ترجیح پر بھی آمادہ کرنے والا تعلقِ خاطر ہی ہوا کرتا ہے۔تعلقِ خاطر کو الگ کردینے کے بعد عملی دنیا میں کسی ترجیحی رویہ کا وجود کیا معنی رکھتا ہے؟۔۔۔۔الحاصل۔۔۔۔قرآن وحدیث رسولِ کریم کی جس محبت کو ضروری قرار دے رہا ہے،میرے خیال میں وہ وہی محبت ہے جس میں ذاتِ رسالت کی طرف طبعی میلان لازمی ہو۔ خواہ وہ طبعی میلان اندرونی تحریک سے عالم وجود میں آئے یا بیرونی تحریک سے۔

اس مسئلے پر اس طرح بھی غور فرمایئے کہ حدیث زیر شرح اور قرآن کریم میں غیرِ خدا اور غیرِ رسول کی محبت کی نہ نفی کی گئی ہے اور نہ اس محبت سے روکا گیا ہے۔ بلکہ صاف لفظوں میں یہ بات ثابت کردی گئی ہے کہ ماں، باپ، بیٹے، بیٹی، بھائی، بہن، شوہر، زوجہ، اعزہ واقارب، اپنی کمائی کے اموال، اپنی تجارت اور پسندیدہ مکانات وغیرہ سے انسانی محبت اسکی فطرت کا تقاضہ ہے۔ان امور کی طرف اس کا میلان بالکل طبعی ہے۔لہٰذا نہ تو ان چیزوں کی محبت سے اسے روکا جاسکتا ہے اور نہ اس کے طبعی رجحانات کو کچلا جاسکتا ہے۔۔۔۔اس کے بعد احبیّت کا مسئلہ

شروع فرمایا گیا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول کی محبت ان جملہ انواعِ محبت پر غالب تر ہے تب تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن اگر خدانخواستہ اللہ و رسول کی محبت سے ان اشیاء یا ان اشخاص یا ان میں سے کسی کی بھی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت دشوار ہے اور اس بارے میں جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی جاری فرمائے گا۔۔۔۔اور یہ ظاہر ہے کہ کسی نوع کا کسی دوسری نوع غالب ہونا غیر متصوّر و غیر معقول ہے۔ ہر نوع اپنی ہی جیسی نوع پر غالب ہوسکتی ہے۔۔۔۔یعنی کسی کی صفتِ سخاوت پر کسی اور کی صفتِ سخاوت کا بڑھ جانا، کسی کی شجاعت پر کسی اور کی شجاعت کا غالب ہوجانا اور کسی کی عدالت پر کسی اور کی عدالت کا برتر ہوجانا یہ سب کچھ یقیناً معقول و معروف و متعارف ہے۔ لیکن کسی کی سخاوت کا کسی اور کی شجاعت پر، کسی کی شجاعت کا کسی اور کی سخاوت پر، کسی کی سخاوت کا کسی اور کی عدالت پر، کسی کی عدالت کا کسی اور کی شجاعت پر غالب و برتر ہوجانا، غیر معروف بھی ہے اور نا معقول بھی۔۔۔۔

یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کو ہر وہ شخص بخوبی سمجھتا ہے جو بالکلیہ 'شــــئ لطیف' سے محروم نہیں۔۔۔ایسی صورت میں عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں باپ، بیٹے، وغیرہ وغیرہ سے انسان جس نوع کی محبت کرتا ہے، بعینہ اسی نوع کی محبت رسولِ کریم سے بھی ہونا چاہئے اور اس شان کی کہ اوروں کی محبت پر آپ کی محبت غالب و برتر ہو۔۔۔الختصر۔۔۔قرآن واحادیث نے جس نوع کی انسانی محبت باپ، بیٹے وغیرہ کے لئے ثابت کی ہے اس نوع کی محبت پر رسولِ کریم کی اسی نوع کی محبت کے غلبہ و برتری کو ایمان کا کمال قرار دیا ہے۔۔۔'ایمان کا کمال' میں نے اس لئے عرض کیا ہے کہ حدیث زیرِ شرح میں ''لایــؤمـن احـدکـم'' کی شرح کرتے ہوئے حضرات شارحین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں 'ایمان' سے مراد 'ایمان کامل' ہے یعنی 'تم میں سے کوئی اس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہوسکتا'۔۔۔ الخ۔۔۔تو جب یہ بات جمہور علمائے کرام کے نزدیک طے ہوچکی ہے کہ ماں باپ وغیرہ کی محبت طبعی اور جبلّی ہے تو اصولاً اس بات کو بھی طے شدہ ہونا چاہئے کہ ذاتِ نبی کریم سے اسی نوع کی محبت مطلوب ہے اور وہ بھی اس شان کی محبت جو دیگر محبوبین کی محبت پر غالب و برتر ہو۔۔۔

الحاصل۔۔۔حُبِّ عقلی اور حُبِّ طبعی کی تقسیم کو مان لینے پر بھی کسی کی طبعی محبت پر کسی دوسرے کی طبعی محبت ہی کی برتری کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور حُبِّ طبعی پر حُبِّ طبعی ہی کے غلبہ و برتری کی بات کی جاسکتی ہے۔

رہ گئی حُبِّ عقلی' جس کی حقیقت و ماہیت حُبِّ طبعی کی حقیقت و ماہیت سے جداگانہ و مختلف ہے اور جو حُبِّ طبعی کی مدمقابل اور اس کی قسیم ہے' حُبِّ طبعی پر اس کی برتری کا مطالبہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی کسی کی شجاعت پر کسی دوسرے کی عدالت کے غلبہ و برتری کا مطالبہ کرے۔۔۔۔ الغرض۔۔۔۔حدیث زیرِ شرح میں رسولِ کریم ﷺ سے جس طرح کی محبت کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ حُبِّ طبعی ہی ہے نہ کہ حُبِّ عقلی۔ نیز۔قرآن کریم کی منقولہ آیات میں بھی رسولِ کریم ﷺ کی حُبِّ طبعی ہی کی برتری مطلوب ہے۔

اب آیئے ایک دوسری اہم بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں۔۔۔۔خوب ذہن نشیں رہے کہ ایک چیز ہے رسول ﷺ کی محبت۔ اور ایک چیز ہے رسول ﷺ کی احبیّت۔ گو دونوں طبعی اور جبلّی سہی، لیکن دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے، وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کی احبیّت کے بغیر ایمان کا وجود تو ہوسکتا ہے مگر ایمان کو کمال نصیب نہیں ہوسکتا۔۔۔۔المختصر۔۔۔۔رسولِ کریم ﷺ کی محبت نفسِ ایمان کے لئے اور آپ کی 'احبیّت' کمال کے لئے ضروری ولازمی ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر قدرتی طور پر ایک سوال حاشیہ خیال سے سر ابھارتا ہے، وہ یہ کہ طبعی محبت تو ایک غیر اختیاری چیز ہے۔جس سے امر متعلق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ 'تکلیف مالا یطاق' 'حکمتِ خداوندی کو گوارا نہیں۔تو قرآن و حدیث کو نبی کریم ﷺ کی جو محبت مطلوب ہے وہ حُبِّ طبعی کیسے ہوسکتی ہے؟ اس سوال کی وضاحت بخوبی کی جاچکی ہے، اب اس سوال کے حل کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

ایک چیز ہے اپنے دعویٰ نبوت میں کسی نبی کی سچائی کا 'علم و عرفان' اور دوسری چیز ہے اس نبی پر 'ایمان'۔ 'عرفان' بھی انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے اور 'ایمان' بھی۔ان دونوں سے امر کا متعلق ہوسکنا بالکل ظاہر ہے مگر یہ اچھی طرح ذہن نشیں رہے کہ 'عرفان' کے بعد فوراً ہی '

ایمان' کا وجود نہیں ہو جاتا۔ بلکہ 'عرفان' اور 'ایمان' کے درمیان ایک منزل اور بھی ہے اور وہ ہے 'طبیعت کا میلان' (بلفظ دیگر محبت)۔ 'ایمان'، 'میلان' کے بغیر اور 'میلان' 'عرفان' کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی یہ تو ہوسکتا ہے کہ 'عرفان' ہو 'میلان' نہ ہو۔۔۔یا۔۔۔'میلان' ہو 'ایمان' نہ ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ کسی نبی پر 'ایمان' ہو مگر اس کی طرف طبیعت کا 'میلان' نہ ہو۔۔۔یا۔۔۔ اس کی طرف 'طبیعت کا میلان' تو ہو مگر اس کے سچے نبی ہونے کا 'عرفان' نہ ہو۔

عرفان و ایمان تو اختیاری ہے مگر عرفان کو ایمان سے ملانے والی درمیانی کڑی (یعنی میلانِ طبع) غیر اختیاری و اضطراری ہے جس کا وجود علم و عرفان کے بعد کسی کاوشِ عمل کے بغیر اضطراراً ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی خارجی یا داخلی رکاوٹ اس کی راہ کا روڑا نہ بن جائے۔۔۔۔ میلان کی راہ کی یہ ساری رکاوٹیں بھی انسان کے اپنے اختیار کی ہیں جن کے تسلط سے اپنے کو آزاد کرالینا اس کے اپنے بس میں ہے۔

ان حقائق کو ذہن نشیں کر لینے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ بعض اضطراری و غیر اختیاری اعمال ایسے بھی ہیں جو کسی نہ کسی اختیاری عمل کا لازمی اور فطری نتیجہ ہیں۔ بشرطیکہ ان اضطراری اعمال کے وجود میں دوسرے موانعات پیش نہ آئیں اور اسی طرح کے ہر غیر اختیاری عمل سے جو کسی اختیاری عمل کا فطری ثمرہ و نتیجہ ہوں امر کا متعلق ہونا 'تکلیف مالایطاق' نہیں کیونکہ اس طرح کے اعمال سے امر کے متعلق کرنے کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ مامور ان تمام اختیاری اعمال کو انجام دے جن پر عمل درآمد کے نتیجے میں مامور بہ کا وجود لازمی طور پر ہو جائے۔۔۔۔مثلاً۔۔۔۔اگر ہم کسی کو کسی کی محبت کا حکم دیں تو اس کا منشاء یہ ہے کہ ہم اپنے مامور کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ محبوب کا کامل عرفان حاصل کرے اور محبت کے اسباب و موجبات جو اس محبوب کے اندر ہیں شعوری طور پر ان سے کامل وابستگی پیدا کر لے اور پھر ان خارجی یا داخلی عوارض وعلل سے اپنے کو دور کر لے جو میلان طبع کی راہ میں رکاوٹ بن سکیں۔

اب اس کے آگے اسے کچھ نہیں کرنا ہے اور اس کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی وہ ہونے والی بات (یعنی محبت) ہو کے رہے گی۔ اب جس سے اپنے کو بچانا اختیار سے باہر

ہے۔۔۔۔اختیارات کی تمام منزلوں سے نیک روی کے ساتھ گزر جانے کے بعد یہ خاص نوع کا اضطراری عمل وجود میں آ کر رہے گا۔۔۔لہٰذا۔۔۔اس طرح کے اضطراری عمل سے امر کا متعلق ہونا نہ 'تکلیف مالا یطاق' ہے اور نہ 'حکمتِ خداوندی' کے خلاف۔اب آیئے امثال ونظائر کی روشنی میں بھی دیکھتے چلئے کہ اس طرح کے اضطراری عمل سے امر کا متعلق ہونا معروف ومتعارف ہے۔

مثال نمبرا۔۔۔قوتِ سامعہ کی موجودگی میں اپنے گردوپیش کی آواز کا سننا انسان کا ایک غیر اختیاری عمل ہے۔وہ چاہے یا نہ چاہے مگر اسے سننا ہی پڑے گا۔مگر چونکہ اسے اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ کسی خاص چیز کی طرف کامل انہماک کے ساتھ ایسا متوجہ ہو جائے کہ اپنے قریب کی بھی آواز نہ سن سکے۔اور یہ بھی اختیار ہے کہ یہ خصوصی انہماک اپنے اوپر نہ طاری کرے اور ہر طرف کی سنتا رہے۔اس لئے اب اسے سننے کا حکم دینا تحصیلِ حاصل ہو کر 'تکلیف مالا یطاق' نہیں بلکہ اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ سننے والا ان تمام موانعات کو دور کر دے یا دور رکھے جو سننے کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔

مثال نمبر۲۔۔۔قوتِ باصرہ کی موجودگی اور آنکھ کھلی رہنے کی صورت میں تاحدِ نظر انسان کا دیکھنا ایک غیر اختیاری عمل ہے، چاہے یا نہ چاہے اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔مگر چونکہ اسے اس بات کا پورا اختیار ہے کہ آنکھوں کو بند کر لے یا آنکھوں کے سامنے کوئی حجاب لا کر رکھ دے اس لئے اب اسے دیکھنے کا بھی حکم دیا جائے گا جس کا منشاء یہ ہے کہ دیکھنے والا ان تمام رکاوٹوں سے اپنے کو دور کر دے یا دور رکھے جو دیکھنے کی راہ میں مانع ہوں۔

مثال نمبر۳۔۔۔قوتِ شامّہ کی سلامتی کی صورت میں اپنے ہر چہار طرف پھیلی ہوئی مہک کا سونگھنا انسان کے لئے ایک غیر اختیاری عمل ہے، چاہے یا نہ چاہے اسے سونگھنا ہی پڑے گا۔مگر چونکہ اسے اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی ناک بند کر لے۔۔۔یا۔۔۔اس ماحول ہی سے دور ہو جائے۔۔۔یا۔۔۔گردوپیش کی بو کے احساس کو ختم کرنے کے لئے کوئی اس سے بھی زیادہ مہک والی چیز کو اپنی ناک کے قریب کر لے۔اس لئے اب اسے اپنے چہار طرف پھیلی ہوئی مہک کے سونگھنے کا حکم دینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا۔اس حکم کا منشاء صرف یہی ہوگا کہ انسان ان تمام

موانعات سے دور ہو جائے۔۔۔یا۔۔۔دور رہے جو اس خاص ماحول میں قوتِ شامّہ کے فطری اور غیر اختیاری عمل کے وجود پر اثر انداز ہوں۔

مثال نمبر۴۔۔۔ہم نے حکم دیا کہ فلاں چیز کو لے جاؤ اور دریا میں بہادو۔ حالانکہ لے جانے والے کے اختیار میں صرف یہی ہے کہ وہ اس چیز کو دریا کے بہتے ہوئے دھارے تک پہنچادے۔ اس کے بعد بہالے جانا، یہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔ دھارے تک پہنچانے والا چاہے یا نہ چاہے، بہرصورت وہ بہنے والی چیز بہہ کر رہے گی، بشرطیکہ راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ آجائے جو دریا کے بہاؤ پر غالب ہو۔۔۔بلکہ۔۔۔بہالے جانا خود دریا کے اختیار سے باہر ہے، کہ وہ چاہے تو اسے بہالے جائے اور نہ چاہے تو نہ بہائے۔ بہالے جانا خود دریا کا ایک غیر اختیاری عمل ہے۔۔۔تو ایسی صورت میں ہمارے مذکورہ بالا حکم کا منشاء یہی ہوگا کہ فلاں چیز کو وہاں تک پہنچادو جہاں سے کوئی خاص رکاوٹ نہ ہونے کی صورت میں اس کا بہہ جانا ضروری اور لازمی ہو۔۔۔۔

ان ہی چند مثالوں پر غور کر لینے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بعض اعمال ایسے بھی ہیں جو غیر اختیاری ہونے کے باوجود بھی مامور بہ ہوسکتے ہیں۔ بلکہ صرف ہوسکتے ہی نہیں، بلکہ امر کا ان سے متعلق ہونا معروف و متعارف ہے۔ اس طرح کے اعمال کا حکم دینا 'تکلیف مالایطاق' بھی نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔اگر کوئی کسی ایسے سے محبت کرنے کا حکم دے جس میں محبت کے اسباب و موجبات اور داعیات و محرکات بالکلیّہ مفقود ہوں اور قلب کو اپنی طرف جھکانے والی کوئی چیز اس کی ذات میں نہ ہو۔ یقیناً ایسوں کی محبت کا حکم طبیعت پر بے جا دباؤ اور جبر بلکہ 'تکلیف مالایطاق' ہے حکمتِ خداوندی جسے گوارا نہیں کرسکتی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

'لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفسًا اِلَّا وُسعَهَا'

'اللہ طاقت سے زیادہ کسی نفس پر بوجھ نہیں ڈالتا'

لیکن وہ محبوب جس کے ظاہر و باطن میں محبت اور احبیّت کے اسباب و موجبات اور داعیات و محرکات کے بے شمار گل بوٹے کھلے ہوں اور عالم یہ ہو۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جاایں جاست

وَاَجمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِىْ
وَاَكمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقتَ مُبَرَّءً اعَنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقتَ كَمَا تَشَاءُ

(حضرت حسان ﷺ)

''آپ سے بڑھ کر حسین وجمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ کامل کسی عورت نے جنا ہی نہیں آپ ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کئے گئے۔ گویا کہ آپ کی تخلیق آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی''۔

'مرقات' 'زرقانی' اور 'شفا' وغیرہ کی صاف اور بے غبار عبارتوں سے جس رسول ﷺ کا مختصر تعارف حدیث زیرِ شرح کے ضمن میں کرا چکا ہوں، ایسے محبوب کی محبت اور احبیّت کا حکم دینا 'تکلیف مالا یطاق' نہیں، بلکہ عقل وشعور کے نزدیک ربِّ اکرم کا احسانِ عظیم ہے۔

'مجمع البحار' میں اس بات کی وضاحت کے بعد کہ جہاں جہاں رسولِ کریم کی محبت کا حکم دیا گیا، وہاں محبت سے حُبِّ عقلی مراد ہے نہ کہ حُبِّ طبعی۔ اور پھر اس کو مریض اور دوا کی مثال سے سمجھا کر اور وجہ صلاحِ دارین اور مخلوقات پر شفیق تر ہونے کے سبب نبی کریم ﷺ کو حُبِّ عقلی کا مرکز قرار دے کر یہ بھی تحریر ہے:

وَهُوَ اَدْنىٰ دَرَجَاتِ الْاِيْمَانِ وَكَمَالِهِ اَن يَّكُوْنَ طَبْعُهٗ تَابِعًا لِعَقْلِهٖ فِىْ حُبِّهٖ۔

(رسول کریم ﷺ کی ذات سے عقلی محبت) ایمان کا ادنیٰ اور کمتر درجہ ہے۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی محبت میں طبیعت عقل کی تابع ہو۔

'مجمع البحار' میں 'اَحَبَّ اَلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' کی شرح کرتے ہوئے یہ سب کچھ فرمایا گیا ہے، جس میں خدا اور رسول دونوں کی محبت زیرِ بحث ہے۔ میں نے صرف رسول ﷺ کی محبت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ جس حدیث کی شرح میں کر رہا ہوں اس میں صرف رسول کریم ﷺ ہی کی محبت زیرِ بحث اور یوں بھی خدا اور رسول ﷺ کی محبت کچھ دو تو ہے نہیں بلکہ ایک کی محبت دوسرے کی

محبت کو مستلزم ہے۔

'مجمع البحار' کی مذکورہ عبارت واضح کررہی ہے کہ حب عقلی ایمان کا کمترین درجہ ہے، ایمان کے کمال کیلئے رسولِ کریم ﷺ کی طرف طبیعت کا میلان، ان میلانات سے شدید تر ہونا چاہئے جو باپ، بیٹے وغیرہ کی طرف ہیں، ورنہ ایمان تو ہوگا، لیکن ایمان کو کمال نصیب نہ ہو گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایمان کے کمال کی انتہا یہی ہے کہ چاہنے والا رسول ﷺ کو اتنا چاہے کہ کسی کی چاہت آپ کی چاہت کے برابر بھی نہ ہوسکے، چہ جائیکہ بڑھ جائے --- اب دیکھنا یہ ہے کہ حدیث زیر شرح میں 'لا یومن' سے کیا مراد ہے ---۔ 'مرقات' میں ہے:

لَا یُـؤْمِـنُ اَحَـدُ کُـمْ ---اَیْ اِیْـمَـانـاً کَـامِلاً

تم میں سی کوئی مومن یعنی ایمانِ کامل والانہیں ہوسکتا۔

---۔ 'فتح الباری' میں ہے:

(لَا یُؤمِنُ) ---اَیْ اِیْمَاناً کَامِلاً

لا یومن میں ایمان سے مرادایمانِ کامل ہے۔

'اشعۃ اللمعات' میں شیخ محقق نے بھی یہی فرمایا ہے ---۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں جب یہ طے ہوگیا کہ حدیث زیر شرح میں جو ایمان زیر بحث ہے وہ ایمان کامل ہے۔ پھر تو اس بات میں کوئی اختلاف ہی نہ ہونا چاہئے کہ حدیثِ مذکور میں احبیّت سے مراد طبعی احبیت ہی ہے، اس لئے کہ باپ، بیٹے وغیرہ کی طرف طبعی جھکاؤ سے زیادہ جب تک رسولِ کریم ﷺ کی طرف طبعی میلان نہ ہوگا اس وقت تک ایمان مرتبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا ---۔ الغرض --- حُبِ عقلی اور حُبِ طبعی کی تقسیم کو قبول کر لینے کے بعد بھی اس بات کی ضرورت نہیں کہ حدیث زیر شرح میں ذکر کردہ احبیّت کو حُبِ عقلی ہی پر محمول کیا جائے۔ بلکہ لا یومن میں ایمان سے ایمانِ کامل مراد لینے کی صورت میں لازم ہوجاتا ہے کہ مذکورہ احبیت سے طبعی احبیت ہی مراد لی جائے ۔اسلئے کہ عقلی احبیّت کا جو معنی بیان کیا جاتا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پر ترجیح دی جائے"۔ اور ظاہر ہے کہ مذکورہ عمل

ترجیح کا عقیدہ اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایمان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ ایمان کامل ہو۔ لہٰذا عقیدہ ترجیح کو نفسِ ایمان کے وجود کے لئے تو ضروری بتایا جا سکتا ہے لیکن صرف مذکورہ عقیدے سے ایمان کو کمال نہیں ہوسکتا۔۔۔۔اب اگر عقیدہ کے ساتھ ساتھ عملی زندگی بھی مذکورہ بالا ترجیح کا ثبوت دینے لگے تو پھر نفسِ ایمان مرتبہ کمال کی طرف رواں دواں نظر آئے گا اور مختلف مدارجِ کمال کی انتہا کی طرف انسان سرگرمِ سفر ہوگا۔ مگر یہ بخوبی ذہن نشیں رہے کہ کسی کے ایمان کو کسی طرح کا کمال میسر نہیں آ سکتا جب تک اس عقیدہ و عمل کے ہر ہر گوشے پر طبعی میلانات کی کارفرمائی نہ ہو۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے۔۔۔ کہ۔۔۔ محبت ہی سے 'انابت الی اللہ' کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی 'خوف و رجا' کا معدن ہے۔ محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی 'مقامِ رضا' اور کبھی 'مقامِ شکر' پر متمکن کر دیتی ہے۔۔۔۔صبر بھی وہی صبر ہے، جس کی بناء محبت پر ہو۔ ورنہ اس کا نام بیچارگی ہوگا۔۔۔۔زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشاء محبت ہو۔ ورنہ اس کا نام عدمِ دسترس ہوگا۔۔۔۔حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب و تعظیم کی ہواؤں میں پلی ہو۔ ورنہ اس کا نام انفعالِ طبع ہوگا۔۔۔۔فقر بھی وہی فقر ہے جو مُحب کی بجانبِ محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جود و نوال کی جانب منجذب ہو جائے۔ ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔۔۔الغرض۔۔۔محبت ہی 'قوت القلوب' ہے، محبت ہی 'غذاء الارواح' ہے، محبت ہی 'قرۃ العیون' ہے، محبت ہی 'حیاۃ الابدان' ہے، محبت ہی دل کی زندگی ہے، محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے، محبت ہی کامیابی کو بقاء و دوام کا تاج پہناتی ہے، محبت ہی بقاء کو تختِ ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔۔۔۔محبت کا کمال دیکھنا ہو تو صحیح بخاری کی اس حدیث پر غور فرمایئے:

> عَن عِبدِ اللّٰهِ بنِ هَشَّامِ قالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلّم وهواخذ بيد عمر ابن الخطاب فقال له عمر يارسول اللّٰه لانت احب الى من كل شى الانفسى فقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلّم لا والذى نفسى بيده حتى اكون احب اليک من نفسک فقال له عمر فانه الان واللّٰه لانت احب الى من نفسى فقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلّم له الا ن يا عمر

(بخاری کتاب الایمان النذور)

حضرت عبداللہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اسی اثناء میں حضرت عمر نے آپ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میری جان کے سوا مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہاں تک کہ ہو جاؤں میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ عزیز۔ پھر حضرت عمر نے آپ سے عرض کیا پس بے شک وہی حال ہے اس وقت قسم خدا کی یقیناً آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ہاں اب، یا عمر۔

مرقات میں بخاری کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس کا آخری حصہ یوں ہے:

فَقَالَ الْاٰنُ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُكَ

﴿رواہ البخاری﴾

(مرقات)

'تو نبی ﷺ نے فرمایا اے عمر! اب جا کے تمہارا ایمان مکمل ہو گیا،

مذکورہ روایت میں 'لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ' کی شرح زرقانی نے یوں کی ہے:

(لَا) یَکْمَلُ اِیْمَانُكَ (وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ) ای بقدرتہ. (زرقانی)

'قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ۔۔۔ الخ'۔

ایک روایت وہ ہے جو پہلے ہی 'شفا شریف' کے حوالے سے ذکر کی جا چکی ہے۔ جس میں لب ہائے نبوت سے نکلے ہوئے کلمات یہ ہیں:

لَنْ یُّؤْمِنُ اَحَدَ کُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ

'تم میں سے کوئی مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ اسے میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'۔

سرکارِ نبوت ﷺ کے ارشاد 'لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ ۔۔۔ الخ' کا بعض بزرگوں کے نزدیک یہ مطلب ہے:

(لَا تُصَدِّقُ فِیْ حُبِّیْ حَتّٰی تُؤْثِرُ رَضَائِیْ عَلٰی هَوَاكَ وَاِنْ كَانَ فِیْهِ الْهَلَاكَ) بِالْجِهَادَ اَوْاَمَاتَةِ النَّفْسِ

(مواہب وزرقانی)

'تم میری محبت میں سچے نہ ہو گے جب تک میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دو۔ اگر چہ اس میں

بذریعہ جہاد یا نفس کی قربانی کے ذریعہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے 'اشعۃ اللمعات' میں جو روایت بیان فرمائی ہے وہ خاصی مفصل ہے۔۔۔۔حدیث زیر شرح کے تحت 'جواہر پارے' میں اس کو نقل کر چکا ہوں۔تمام روایتوں کے مضامین کو اگر ایک مضمون کی شکل دی جائے اور شارحین نے حدیث کے بعض فقروں کی جو توضیح کی ہے اس کو بھی شامل مضمون کر لیا جائے تو یہ مفصل بیان سامنے آتا ہے:

''ایک روز بہت سے صحابہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمر کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ اے عمر تمہارا کیا حال ہے؟ صرف مجھی کو دوست رکھتے ہو یا میرے سوا کو بھی؟ حضرت عمر نے عرض کی کہ محبت مشترک ہے، آپ کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور اپنی جان، اپنے بچوں اور مال و دولت کو بھی۔یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کے سینے پر ہاتھ رکھا اور ان کے دل پر ایک خاص توجہ ڈال کر تصرف فرمایا اور پھر دریافت فرمایا اب کیا حال ہے؟ اپنے کو کیسا پا رہے ہو؟ حضرت عمر نے جواباً عرض کیا کہ میرے دل سے اہل و مال کی محبت تو ساقط ہوگئی مگر جان کی محبت ابھی باقی ہے اور بے شک آپ میرے نزدیک میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان رہنے والی میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔اس پر حضور نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔(یا حضور نے یہ فرمایا کہ) تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (یعنی مومنِ کامل) ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بنالے۔پھر آپ نے دوسری بار حضرت عمر کے سینے پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا اب کیسے ہو؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اب میرے دل میں کسی اور کی محبت نہیں رہ گئی اب صرف آپ کی محبت ہے جو میرے دل کے ہر ہر گوشے میں سمائی ہوئی ہے، یقیناً آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔اس وقت حضور

نے فرمایا اے عمر اب جا کے تمہارا ایمان مکمل ہو گیا''

روایتوں کے اختلاف اور مذکورہ اجمال و تفصیل کی وجہ سلسلہ راویان میں سے کسی راوی کا سہو و نسیان بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راویوں کے اسلوب بیان کا فرق ہو۔ کسی نے مفصل روایت بیان کی اور کسی نے مجمل۔ جس نے جس وقت جو بیان کرنا مناسب سمجھا اسی قدر بیان کر دیا اور یہ اصولی بات ہے کہ:

من حفظ حجة على من لم يحفظ ومن ذكره مقدم على من سكت عنه لا ن معه زيادة علم.

(مرقات)

جس نے یاد رکھا وہ حجت ہے اس پر جو نہ یاد رکھ سکا اور جس نے ذکر کیا وہ مقدم ہے اس پر جو خاموش رہ گیا اس لئے کہ حافظ اور ذاکر کے ساتھ علم کی زیادتی ہے (یعنی حفظ و ذکر حافظ و ذاکر کی فراوانی علم کی دلیل ہے)۔

مذکورہ بالا پوری روایت کے ایک ایک جملے کو بغور دیکھ لینے کے بعد اس بات میں شبہ نہیں رہ جاتا کہ اس روایت میں محبت واحبیّت کی پوری داستان، طبعی محبت واحبیّت ہی سے متعلق ہے۔۔۔۔سرکارِ نبوت حضرت عمر ﷛ سے سوال و جواب کر کے ان کو اور ان کے سوا دیگر حاضرین کو یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ جب تک میری طرف طبیعت کا میلان جان اور اہل و مال کی طرف طبعی میلانات پر غالب نہ ہوگا، اس وقت تک کما حقہ کسی کا ایمان کامل نہ ہوگا۔

پوری روایت کو سامنے رکھ لینے کے بعد اس خیال کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حضرت عمر ﷛ نے حضور ﷺ کے سوال کو سمجھے بغیر جواب دیدیا، حضور نے تو حُبِّ عقلی سے متعلق سوال کیا تھا اور حضرت عمر ﷛ نے حُبِّ طبعی سمجھ کر جواب دیا۔۔۔۔اس لئے کہ روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت عمر ﷛ نے خوب سمجھ کر جواب دیا ہے اور جواب دینے میں کامل سچائی سے کام لیا ہے۔ اپنی جان اور اہل و مال کی احبیّت سے رسولِ کریم کی احبیّت کی طرف انکا سفر بتدریج ہوا۔ نیز ان کے اس سفر میں نبی کریم ﷺ کے دستِ شفقت اور تصرف خاص کی مخصوص کرم فرمائی شامل ہے۔

غور فرمایئے وہ فاروقِ اعظم جن کے علم و عمل، دانائی و فراست، اخلاص وللّٰہیت، محاسن و محامد اور فضائل و مناقب کے بیان میں زبانِ رسالت مآب گوہر افشاں ہو، کتب احادیث کے

صفحات جس پر شاہدِ عدل ہیں، اس فاروق اعظم کا مزاج شناسِ رسالت دماغِ سرکارِ رسالت کے منشاء کلام کو نہ سمجھ سکے اور غیر واجبی جواب دیدے۔ بھلا یہ کیسے سمجھ میں آئے۔ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سوال کے بالکل مطابق تھا۔ حضور ﷺ نے طبعی میلان ہی کے بارے میں دریافت کیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سے متعلق جواب دیا۔۔۔۔اور یہ بھی تو سوچئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حُبِّ عقلی یا عقلی احبیّت سے متعلق سوال کی ضرورت کیا تھی۔۔۔یا۔۔۔خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت تھی کہ عقلی احبیّت کی داستان چھیڑتے اس لئے کہ رسول کریم کی احبیّت کی تشریح میں آپ کے حقوق کی ادائیگی کی ترجیح ہی کا تو ذکر کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس ترجیح کا عقیدہ تو نفسِ ایمان کے لئے ضروری ہے تو پھر اس عقیدے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محرومی کا کیا سوال ہے اور جب یہ عقیدہ ترجیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی عقیدہ رہا تو پھر ان کے عمل کا اس عقیدے کے برعکس ہونا چہ معنی دارد؟ اور ان کی عملی زندگی کو ان کے عقیدہ کے برخلاف ثابت کرنا کہاں کی سعادت مندی ہے؟۔۔۔المختصر۔۔۔نبی کے حقوق کی ترجیح والی احبیّت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایمان لاتے ہی حاصل ہو گئی تھی جو زندگی کی کسی آن میں بھی جدا نہ ہو سکی۔ اس طرح کی احبیّت سے رسولِ کریم ﷺ کے اصحاب کی تہی دامنی کا سوال ہی کیا تھا، جنہوں نے اپنی ساری کائنات لٹا کر رسولِ کریم ﷺ کی سچی غلامی اختیار کر لی تھی اور جن کے نزدیک رسولِ کریم ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مصائب و آلام کے پہاڑ سے ٹکرا جانا کوئی قابل ذکر بات ہی نہیں رہ گئی تھی۔ لہٰذا یقین واذعان کا فیصلہ یہی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی خاص توجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس احبیت کے مقام بلند تک پہنچ گئے، وہ وہی طبعی احبیّت تھی جو درحقیقت حقیقی محبت (میلان طبع کا مرتبہ کمال) ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ:

> اوصلہ اللّٰہ تعالیٰ الی مقام الا تم ببرکۃ توجھہ علیہ الصّلوۃ والسّلام فطبع فی قلبہ حبہ حتی صارکانہ حیاتہ ولبہ۔
> (مرقات)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی توجہ کی برکت سے حضرت عمر کو محبت کے کامل واکمل مقام تک پہنچادیا اور ان کے قلب میں آپ کی محبت کی گہری چھاپ لگادی یہاں تک کہ آپ کی محبت گویا ان کی زندگی، ان کے جسم کا مغز ہوگئی۔

(۸) قال القرطبی وکل من صح ایمانه علیه الصّلوة والسّلام لا یخلومن وجدان شیء من تلک المحبة الراجحه و ان استغرق بالشهوات و حجب بالغفلات فی اکثرا لاوقات بدلیل انانری اکثرهم اذاذکر صلی اللّٰه علیه وسلّم اشتاق الی رویته ومآثرها علی اهله وماله وولده ووالده واوقع نفسه فی المهالک والمخاوف مع وجدانه من نفسه الطمأنینة بذلک ووجدانالاترد دفیه وشاهد ذلک فی الخارج ایثار کثیرین لزیارة قبره الشریف و روية مواضع آثاره علی جمیع ماذکر لماوقرفی قلوبهم من محبته غیران قلوبهم لماترالت غفلا تها وکثرت شهواتها کانت فی اکثر اوقاتها یلهوها ذاهلة عما ینغعها ومع ذلک هم فی برکة ذالک النوع من المحبة فیرجی لهم کل خیر انشاء اللّٰه تعالیٰ ولاشک ان حظ الصحابة رضی اللّٰه عنهم من هذا المعنی اتم لانه ثمرة المعرفة وهم بقدره ومنزلته اعلم وقال النووی فی الحدیث تلمیح الی صفة النفس المطمئنة والامارة فمن رجح جانب نفسه المطمئنة کان حبه علیه الصّلوٰة والسّلام راجحا ومن رجح جانب نفسه الامارة کان بالعکس

(مرقات)

''علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر مومن صحیح الایمان حضور علیہ السلام کی محبت راجحہ سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پاتا ہے اگرچہ وہ اپنے اکثر اوقات میں خواہشات میں مستغرق اور غفلتوں میں پوشیدہ ہو اس کی دلیل ہمارا مشاہدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلمان جب ان کے سامنے رسولِ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ آپ کے دیدار کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور آپ کے دیدارِ پاک کو اپنے اہل و مال اور باپ بیٹوں پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لئے خوف و ہلاکت کی جگہوں میں اپنے کو ڈال دیتے ہیں، بااین ہمہ وہ اپنے اندر کوئی اضطراب نہیں پاتے بلکہ اپنے اس فعل سے انہیں آرام و سکون ملتا ہے اور کثیر در کثیر مسلمانوں کا حضور علیہ السلام کی قبر شریف اور آپ کے آثارِ پاک کی زیارت کو ان تمام مذکورہ یعنی اہل و مال، باپ بیٹے پر ترجیح دینا خارج میں اس پر گواہ ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ آپ کی محبت کا کچھ نہ کچھ حصہ ان کے قلوب میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جب ان کے قلوب پر غفلتیں مسلط ہو جائیں اور خواہشات کی کثرت ہو جائے تو وہ اپنے اکثر اوقات میں اپنے لہو ولعب کے سبب ان امور سے غافل ہو جائیں جو ان کے لئے نفع بخش ہیں ——— بااین ہمہ ——— محبت کی اس خاص نوع

> کی برکت سے یہ بھی محروم نہیں اور جب ایسا ہے تو ان کے لئے کل خیر (کامل محبت) کی بھی امید کی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہیں یہ دولت بھی مل جائے گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول کریم ﷺ کی محبت سے صحابہ کا حصہ کامل و مکمل تھا کیونکہ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور صحابہ رسول کریم ﷺ کی قدر و منزلت کو زیادہ جاننے والے تھے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ:

حدیث میں 'نفسِ مطمئنہ' اور 'نفسِ امارہ' کی صفتوں کی طرف اشارہ ہے تو جو اپنے 'نفسِ مطمئنہ' کی طرف جھکا، اس کے دل میں آپ کی محبت راجح و غالب ہوگی۔ اور جو اپنے 'نفسِ امارہ' کی طرف مائل ہوا اس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

علامہ قرطبی اور علامہ نووی کے حوالہ سے مذکورہ باتوں کو مختصراً علامہ قسطلانی نے بھی 'فتح الباری' میں نقل فرمایا ہے۔۔۔۔۔ ان عبارتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی طرف جس میلان سے دارین کی صلاح و فلاح میسر آتی ہے وہ میلانِ طبع ہی ہے۔ اور یہی ہے وہ محبت جس کو راجح و غالب کر دینا مطلوب ہے۔

(۹) محبت و میلان طبع کی بہت سی قسمیں ہیں:

الف:۔ محبت الوہیت والٰہیت۔ یہ وہ محبت ہے جو عبد کو اپنے معبود سے، مخلوق کو اپنے خالق سے، مرزوق کو اپنے رازق سے، مربوب کو اپنے رب سے، مملوک حقیقی کو اپنے مالکِ حقیقی سے ہوتی ہے۔ کسی غیرِ خدا سے ایسی محبت کھلا ہوا شرک ہے۔ خدائے وحدہ لاشریک ہی اس محبت کے لائق ہے۔ اس محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ چاہنے والا خدا کی ذات و صفات میں کسی غیر کو شریک نہ کرے، نہ عقیدۃً نہ عملاً۔ اور اس کی بارگاہ میں کمال فروتنی کے ساتھ پیش آتا رہے اور اس کی عبادت اور اطاعت سے غافل نہ رہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

وَالَّذِين آمنُوا اَشَدُّ حَبّاً لِّلّٰہ۔

وہ لوگ جو ایمان لا چکے اللہ کی محبت میں بہت ہی سخت و شدید و اشد ہیں۔

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کی محبت میں شدت، ایمان کا نتیجہ ہے ۔اس لئے کہ اس میں صاف لفظوں میں ایمان لا چکنے کے بعد ایمان لانے والوں کو خدا کی

محبت میں شدید بتایا گیا ہے۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کو اس کے ماسوا ہر ایک کی محبت پر ترجیح دینے کا اشارہ اس ارشادِ نبوی سے بھی ملتا ہے جسے ترمذی و حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کلامِ بلاغت نظام یہ ہے:

اَحِبُّو اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ بِہٖ مِنْ نَعَمِہٖ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ

(زرقانی)

'اللہ سے محبت کرو۔ اسکی ان نعمتوں کے سبب جن سے وہ تمہیں نوازتا رہتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب۔ اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری محبت کے سبب'۔

ب:۔ محبت[۲] نبوت و رسالت۔ یہ وہ محبت ہے جو امتی کو اپنے نبی سے ہوتی ہے۔ اس محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ چاہنے والا اپنے نبی کی کامل اطاعت کرتا رہے اور اس نبی کی تعظیم و توقیر اور پرخلوص وفاداری سے کبھی غافل نہ ہو۔۔۔۔ علامہ قاضی عیاض قدس سرہ کے کلام سے اور میری سابقہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول ﷺ کی طرف میلانِ طبع یعنی آپ ﷺ کی محبت نفسِ ایمان کے لئے شرط ہے۔۔۔۔ رہ گئی آپ ﷺ کی 'احبّیت' یعنی 'محبت راجحہ' تو وہ ایمان کے کمال کے لئے ضروری ہے۔۔۔۔ فتح الباری میں ہے:

فی کلام القاضی عیاض ان ذالک شرط فی صحة الایمان لانہ حمل المحبة علی معنی التعظیم والاجلال وتعقبہ صاحب المفھم بان ذالک لیس مراداً ھنالان اعتقاد الاعظمیة لیس مستلزما للمحبة اذقدیجد الانسان اعظم شی ء مع خلوہ من محبة۔

(فتح الباری، مواہب)

قاضی عیاض کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول ﷺ کی محبت ایمان کی صحت کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ انہوں نے محبت کو تعظیم و اجلال کے معنی میں محمول کیا ہے۔ اس پر صاحبِ مفہم' نے گرفت کی ہے کہ یہ یہاں مراد نہیں۔ اس لئے کہ کسی کے عظیم تر ہونے کا اعتقاد

اس کی محبت کو مستلزم نہیں۔اس لئے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی شے کی عظمت و برتری کا اعتراف رکھتے ہوئے اس کی محبت سے خالی ہوتا ہے۔

صاحبِ مفہم علامہ ابوالعباس احمد ابن محمد قرطبی کی مذکورہ گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے اس روایت کا بھی سہارا لیا گیا ہے جس کی مفصل تشریح ہو چکی ہے اور جس میں فاروق اعظم کی احبیّت کا بیان ہے۔اس روایت کی روشنی میں مذکورہ موقف کی تائید اس طرح حاصل کی گئی ہے کہ اگر محبت، عظمت کے ہم معنی ہوتی۔۔۔یا۔۔۔اعظمیّت واحبیت کا ایک ہی مفہوم ہوتا تو پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احبیّت کی تعلیم نہ فرماتے۔اس لئے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و اعظمیّت کے اعتقاد سے فاروقِ اعظم کی ایمانی زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہ تھا اور ایسے بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اعتقاد کے بغیر کوئی مومن کیسے ہوسکتا ہے؟ تو ظاہر ہو گیا کہ محبت اور ہے، عظمت اور ہے۔عظمت کا اعتراف بغیر محبت کے بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ عقلاً یہ ہوسکتا ہے کہ ہم کسی کو عظمت والا جانیں، لیکن نہ اس سے بغض رکھیں اور نہ محبت۔۔۔یا۔۔۔ہم کسی کو عظیم سمجھیں اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں اس کی طرف سے بغض بھی رکھیں۔اگرچہ عرف وعادت کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان جس کی عظمت کا اعتراف کرے اس سے محبت بھی کرے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔محبت نبوی نفسِ ایمان کے لئے نہ سہی، مگر کمالِ ایمان کے لئے یقیناً لازمی ہے۔۔۔کیونکہ:

مَن لَّمْ يَجِدْ مِنْ نَفْسِهٖ ذَالِكَ الْمَيْلَ لَمْ يَكْمُلْ اِيْمَانُهٗ۔

(فتح الباری ومواہب ناقلاً عن القرطبی)

'جو اپنی نفس میں رسول کی طرف وہ میلان نہ پائے گا وہ کامل الایمان نہیں ہوسکتا'۔

فتح الباری، مواہب وزرقانی کا مذکورہ بالا خلاصہ ذہن نشیں فرما کر آیئے میرے معروضات غور فرمایئے:

اولاً۔۔۔حضرت قاضی عیاض نے جس محبت کو ایمان کے لئے شرط قرار دیا ہے وہ نفسِ محبت ہے نہ کہ احبیّت یعنی 'محبت راجحہ'۔اور یہ بھی بخوبی واضح کر چکا ہوں کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ

رسولِ کریم ﷺ کی طرف میلان طبع تو ہو لیکن دیگر موانعات کے سبب آپ پر ایمان نہ ہو سکے، مگر یہ ناممکن ہے کہ آپ پر ایمان ہو لیکن آپ کی طرف میلانِ طبع نہ ہو۔

ثانیاً۔۔۔۔حضرت قاضی عیاض نے محبت کو عظمت کا ہم معنی قرار نہیں دیا ہے بلکہ انہوں نے جس محبت کو 'محبت اجلال و اعظام' کا نام دیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ یہ ایک ایسی محبت ہے، محبوب کی تعظیم و توقیر جس کا تقاضہ ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو عظیم سمجھا جائے لیکن اس کی محبت سے تہی دامن رہا جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ کسی عظیم سے محبت کی جائے لیکن اس کے اجلال و اعظام سے خالی الاعتقاد رہا جائے۔

ثالثاً۔۔۔۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت سے متعلق جو روایت ہے وہاں نفسِ محبت خارج از بحث ہے۔ بلکہ وہاں سارا کلام احبّیت یعنی 'محبت راجحہ' سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی رسولِ کریم ﷺ کی عظمت و اعظمیت کے اعتراف سے خالی نہیں تھے، اسی طرح آپ حضور ﷺ کی نفسِ محبت سے بھی کبھی تہی دامن نہ تھے۔۔۔۔المختصر۔۔۔۔قاضی عیاض کے کلام سے میں نے جو کچھ سمجھا ہے، نہ تو وہ واقعیت کے خلاف ہے اور نہ وہ اس روایت سے مجروح ہوتا ہے۔

ج:۔۔۔۔محبت[۳] ابوّت۔ یہ وہ محبت ہے جو بیٹے کو اپنے ماں باپ سے ہوتی ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹا ماں باپ کی تعظیم و توقیر کرے اور ان کے حقوق کو پامال نہ کرے۔

د:۔۔۔۔محبت[۴] بنوّت۔ یہ وہ محبت ہے جو ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ماں باپ اولاد پر ہمیشہ رحیم و شفیق رہیں۔ چونکہ بھتیجا بھی بیٹے ہی کے حکم میں ہوتا ہے اسی لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ جناب ابو طالب کو میرے رسول ﷺ سے جو محبت تھی وہ محبت بنوّت ہی تھی۔ ذہن نشیں رہے کہ جس محبت کی بنیاد خونی رشتہ و تعلق پر ہو اس محبت کا ایمان کا سبب بن جانا غیر ضروری ہے۔

ہ:۔۔۔۔محبت[۵] اخوّت۔ یہ وہ محبت ہے جو بھائی بہنوں کو اپنے
بھائی بہنوں سے ------------ یا ---------- خاندان والوں کو اپنے
خاندان والوں سے ---------- یا --------------- شہر والوں کو اپنے

شہر والوں سے ------------یا ------------وطن والوں کو اپنے

وطن والوں سے ------------یا ------------ ملک والوں کو اپنے

ملک والوں سے ------------یا ------------ انسانیت کی بنیاد پر

کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس محبت میں بھائی چارگی اور اپنے خاندان والا، اپنے شہر والا، اپنے وطن والا اور اپنے ملک والا ہونے کی حیثیت ملحوظِ خاطر رہتی ہے۔ یہ محبت آپس میں خیر خواہی کی متقاضی ہے۔

و:۔۔۔۔محبت[۶] وطنیت۔ یہ وہ محبت ہے جو اہل وطن کو اپنے وطن سے ہوتی ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وطن کی حفاظت وصیانت کی جائے اور اس کی بقاء وارتقاء کے لئے جس ایثار کی ضرورت ہو اس سے پہلو تہی نہ کی جائے۔

ز:۔۔۔۔محبت[۷] زوجیت۔ یہ وہ محبت ہے جو میاں بیوی میں ایک دوسرے سے ہوتی ہے۔اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت رکھیں۔

ح:۔۔۔۔محبت[۸] اقامت۔ یہ وہ محبت ہے جو گھر والوں کو اپنے گھر سے ہوتی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ گھر کی دیکھ بھال کی جائے اور اس کو اغیار کی تخریب کاریوں سے محفوظ رکھا جائے۔

ط:۔۔۔۔محبت[۹] مملوکیت۔ یہ وہ محبت ہے جو ایک مالک کو اپنے مملوک سے ہوتی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے مملوک کو ظالمانہ تصرفات سے بچایا جائے۔

ی:۔۔۔۔محبت[۱۰] لسانیت۔ یہ وہ محبت ہے جو کسی انسان کو اپنی مادری زبان اور اپنے ادب سے ہوتی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی مادری زبان کی حفاظت کی جائے اور اس تہذیب وادب کو آشوبِ روزگار سے بچانے کی مناسب صورتیں اختیار کی جائیں جس کی آغوش میں اپنی مادری زبان پروان چڑھی ہے۔

محبتوں کی مذکورہ بالا دس (۱۰) قسمیں بطورِ مثال میں نے پیش کی ہیں۔عقل وشعور

کی روشنی میں غور کیجئے تو محبت کے اور بھی بہت سے خانے بن سکتے ہیں جن میں حسن واحسان والوں اور خود اپنی جان کی محبتیں خاص اہمیت رکھتی ہوئی نظر آئیں گی۔۔۔۔ یہ ساری محبتیں یقیناً طبعی اور فطری ہیں۔اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ کوئی محبت غیر طبعی بھی ہوتی ہے۔محبت تو ہرایک طبعی ہی ہوتی ہے۔میں نے محض بطور تنبیہ ان تمام مذکورہ بالا محبتوں کو طبعی اور فطری کہا ہے تا کہ ذہن کسی اور طرف نہ جائے۔اور یہ بھی بخوبی سمجھ لیا جائے کہ رسولِ کریم ﷺ کی کس طرح کی محبت مطلوب ہے اور کن کن محبتوں پر اس کو غالب و راجح ہونا چاہیۓ؟ جب مرجوح اور مغلوب محبتوں کی اہمیت کو سمجھ لیا جائے گا تو پھر 'محبت راجحہ' کی عظمت و برتری کا کامل احساس ہو جائے گا اور پھر اس محبوب کی بھی عظمت وشوکت کی کسی نہ کسی قدر معرفت حاصل ہوگی۔

۔۔۔جسکی محبت راجحہ کی داعی اللہ کی کتاب بھی ہے اور خود اس رسول کی حدیثیں بھی۔حضرت قاضی عیاض نے محبت کی تمام قسموں کو صرف تین قسموں میں سمیٹ لیا ہے۔

﴿۱﴾۔۔محبت اجلال واعظام: یعنی چھوٹے کی محبت بڑے سے۔

﴿۲﴾۔۔محبت شفقت ورحمت: یعنی بڑے کی محبت چھوٹے سے۔

﴿۳﴾۔۔ محبت مشاکلت واستحسان: یعنی کسی بھی طبیعت کے موافق چیز ۔۔۔نیز۔۔۔خوبی واچھائی کی طرف طبیعت کا میلان۔اس اجمال کو اگر چہ جامۂ تفصیل پہنایا جائے تو وہ ساری باتیں آجائینگی جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں اور انکے سوا شاخ در شاخ اور بھی بہت سی صورتیں رونما ہو جائینگی جنکا اظہار طوالت کا باعث ہے اور کسی نا کسی حد تک غیر ضروری بھی۔

۱۰ لَایُؤمِنُ اَحَدُکُمۡ۔۔۔مخاطب تو صرف حاضرین کو کیا ہے لیکن حکم خطاب عام ہے جو ان حاضرین کو اور انھیں پر قیاس کرتے ہوئے انکے سوا دوسروں کو بھی شامل ہے۔اسلئے کہ حاضرین کے کمال ایمان۔۔۔یا۔۔۔عدم کمالِ ایمان کی جو علت ہے بعینہ وہی علت غائبین کے کمالِ ایمان۔۔۔یا۔۔۔عدم کمالِ ایمان کی بھی ہے۔پھر کوئی وجہ نہیں کہ مذکورہ خطاب کا روئے

سخن صرف حاضرین کیلئے مخصوص ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تمام غیر حاضرین کو مخاطبین کی منزل میں رکھ کر بطور استعارہ تمثیلیہ مجازاً ان سب کی طرف کلام کو متوجہ کر دیا گیا ہو۔۔۔۔مذکورہ بالا خطاب میں جس عموم کی نشاندہی کی جارہی ہے اسکی تائید مسلم کی اس روایت سے بھی ہو رہی ہے جس میں لَا یُؤمِنُ الرَّجُلُ (یعنی کوئی مرد مومن کامل نہیں ہوسکتا۔۔۔الخ) کے الفاظ ہیں ۔۔۔اصیلی کی روایت میں لَا یُؤمِنُ اَحَدٌ مذکور ہے۔۔۔یہ احدٌ والی روایت ماقبل کی دونوں روایتوں سے زیادہ عمومیت رکھتی ہے۔اگر مذکورہ تینوں روایتوں کے صرف ظاہر کو دیکھا جائے تو ان میں اَحَدُکُمْ بہت خاص ہے اور اَحَدٌ بہت عام ہے اور الرَّجُلُ، تو وہ ان دونوں کے بین بین ہے اور اگر اَحَدُکُمْ کے خطاب کے وقت مردوں اور عورتوں دونوں کی حاضری تسلیم کرلی جائے تو پھر اَحَدُکُمْ، الرَّجُلُ سے ایک جہت سے عام اور دوسری جہت سے خاص رہے گا۔

۱۱ مِنْ وَالِدِہٖ: (اپنے باپ سے) اگر والد سے مراد مَنْ لَہُ الْوَلَدُ (صاحب اولاد) لے لیا جائے تو حدیث میں مذکورہ لفظ 'والد' ماں باپ دونوں کو عام ہو جائے گا۔اسلئے کہ صاحب اولاد ہونے کی صفت دونوں میں مشترک ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف باپ کا ذکر اسلئے کیا ہو کہ چونکہ ماں باپ میں باپ اشرف ہے تو اسکی محبت بھی عظیم تر ہوگی۔تو اسکے ذکر کے بعد ماں کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔یہ بھی ممکن ہے کہ باپ بیٹے کا ذکر بطور تمثیل ہو اور اس سے مراد تمام اعزّاء ہوں۔رہ گیا باپ کا ذکر کرنا اور ماں کا ذکر نہ کرنا، تو ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں رکھتا جب ذکر بطور تمثیل ہی ہے، تو ضدّین میں سے کسی بھی ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

۱۲ وَوَلَدِہٖ۔۔۔ولد سے مراد اولاد ہے، خواہ وہ مُذکّر ہو یا مُؤنّث۔وَالِد کو ذکر میں ولد پر مقدم کیا، اسکی مختلف وجہیں ہوسکتی ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔والد کی عظمت و برتری پر نظر رکھتے ہوئے اسکو ذکر میں مقدم رکھا۔

﴿۲﴾۔۔۔ والد چونکہ وجود میں مقدم ہے لہٰذا ذکر میں بھی مقدم رکھنا مناسب ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔بیٹے کی طرف نسبت کرتے ہوئے باپ کو اکثریت حاصل ہے اسلئے کہ خطاب کے وقت سے لے کر آج تک کوئی بھی ایسا انسان نہ ہوگا جو بے باپ کا ہو۔مگر ایسے بہت مل

جائیں گے جو بے اولاد ہیں۔۔۔الختصر۔۔۔اکثریت والے کو ذکر میں مقدم کر دیا اور اقلیت والے کو مؤخر رکھا۔

نسائی میں حضرت انس سے جو روایت ہے اس میں ولد کا ذکر والد کے ذکر پر مقدم ہے۔شاید اسلئے کہ اولاد کی طرف طبیعت کا جھکاؤ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ازراہِ شفقت فراواں ایسا کیا گیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں صرف والد اور ولد ہی کا ذکر ہے۔شاید اسلئے کہ جو معنی زیر گفتگو ہے اسکے لئے ان دونوں کا ذکر زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ہر ہوشمند باپ، بیٹے کو اہل و مال، یہاں تک کہ بعض اوقات میں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔اسی لئے والد اور ولد کے ذکر کے بعد اہل و مال وغیرہ، یہاں تک کہ اپنے نفس کے بھی ذکر کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔بعض روایتوں میں والد و ولد (دونوں) کے بجائے اہل و مال کا ذکر ہے۔مگر انھیں دو کے ساتھ کچھ تخصیص مقصود نہیں بلکہ اہل و مال کا ذکر محض بطور تمثیل ہے اور ان سے ہر وہ چیز مراد ہے جسکی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔

حدیث زیر شرح میں والد و ولد کے ذکر کے بعد 'النَّاسِ' کا ذکر، عطف العام علی الخاص، کے معروف متعارف اصول پر مبنی ہے۔اسکے ذکر سے اس بات پر تاکید ہو جاتی ہے کہ رسول کریم کی محبت تمام اعزاء کی محبت پر غالب رہنی چاہئے۔۔۔نیز۔۔۔وَالنَّاسِ کے عموم میں خود انسان کی اپنی ذات بھی داخل ہو جاتی ہے۔اس مقام پر یہ خیال کرنا کہ چونکہ خود انسان ہی محبت کرنے والا ہے اسلئے وَالنَّاسِ کے عموم سے خود اسکی ذات عقلاً خارج رہنا چاہئے، بعید از قیاس ہے۔اسلئے کہ حضرت عبداللہ ابن ہشام کی حدیث میں خصوصی طور پر 'نفس' کا ذکر کیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ نبی کریم کی محبت 'نفس' کی محبت پر بھی غالب رہنی چاہئے۔اور یونہی جب وَالنَّاسِ کا لفظ عام ہے اور 'نفس'، از روئے لغت، اس عموم میں داخل ہے، تو کوئی وجہ نہیں جو اسکو اس عموم سے خارج کر دے۔۔۔الحاصل۔۔۔النّاس کے عموم سے نفس کے عقلاً خروج کا ادعاء خود غیر معقول ہے۔

۱۳؎ اَحَبَّ اِلَیْہِ۔۔۔ارباب علم و ادب اور شائقین تغزل عموماً لفظ 'محبت' کی جگہ لفظ 'عشق'

استعمال کیا کرتے ہیں۔لیکن 'محبت' اور 'عشق' میں ایک لطیف سا فرق ہے۔۔۔محبت کیلئے ضروری ہے کے محبوب کی طرف طبیعت کا میلان صحیح ہو اور عشق کیلئے ایسی کوئی شرط نہیں۔ یہ صرف میلان چاہتا ہے، وہ خواہ صحیح ہو یا غیر صحیح۔۔۔محبوب کیلئے واقعی طور پر صاحب فضائل ومحاسن اور خوبیوں والا ہونا ضروری ہے، لیکن معشوق کیلئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اسکو کوئی، بہ گمانِ خویش، اچھا سمجھ لے، خواہ فی الواقع اس میں کوئی خوبی ہو۔۔۔یا۔۔۔نا ہو۔محبوب بہرصورت محبوب ہے، خواہ اسکو کوئی چاہے۔۔۔یا۔۔۔نا چاہے۔۔۔یا۔۔۔اسکا چاہنے والا موجود ہو۔۔۔یا۔۔۔نا موجود ہو۔لیکن معشوق اس وقت تک معشوق نہیں ہوسکتا کہ جب تک اس پر کوئی عاشق نہ ہو اور وہ عاشق موجود نہ ہو

۔۔۔جبھی تو کہا جاتا ہے:

لیلیٰ رابچشم مجنوں باید دید

۔۔۔لغت میں عشق کو ایک طرح کا جنون بھی قرار دیا گیا ہے۔

قاموس میں ہے:

اَلْعِشْقُ:۔۔۔مَرَضٌ وَسَوَاسِیٌّ یَجْلُبُہٗ اِلٰی نَفْسِہٖ
بِتَسْلِیْطِ فِکْرِہٖ عَلٰی اِسْتِحْسَانِ بَعْضِ الصُّوَرِ

عشق ایک ایسا مرض ہے جو خرابیٔ عقل سے پیدا ہوتا ہے۔اس مرض کو
انسان بعض صفتوں کے استحسان پر اپنی فکر کو مسلط کر دینے کے ذریعہ
اپنے اوپر خود ہی وارد کر لیتا ہے۔

۔۔۔شاید اسی لئے خدا اور رسول کے کلامِ بلاغت نظام میں لفظ 'عشق' کا ذکر نہیں ملتا اور ہر جگہ لفظ 'محبت' ہی کا استعمال ملتا ہے۔سوید بن سعید کی جن روایتوں میں لفظ 'عشق' مذکور ہے وہ صحیح نہیں، بلکہ علامہ ابن جوزی نے انکا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔

زادالمارج، صفحہ۲ میں ہے:

لَایَحْفَظُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لَفظُ الْعِشْقِ فِیْ حَدِیْثٍ صَحِیْحٍ ط
کسی حدیث صحیح میں رسول کریم ﷺ کا لفظ 'عشق'
کا استعمال کسی کے علم و یادداشت میں نہیں ہے۔

۱۴۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ محبت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی اتباع اور اطاعت پر آمادہ کرتی ہے۔ تعظیم وہی تعظیم ہے، جسکا منشاء محبت ہو۔ اور اکرام وہی اکرام ہے، جسکا مبداء محبت ہو۔ بعض لوگوں نے 'محبت' کو عین 'اطاعت و اتباع' اور 'اطاعت و اتباع' کو عین 'محبت' سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ انکا یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ اسلئے کہ اطاعت نام ہے فرمانبرداری کا جس میں حکم و فرمان کا وجود لازمی ہے، ورنہ اطاعت کا وجود ہی نا ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حکم و فرمان دینے والا حکم پانے والے سے عظیم ہو، ورنہ وہ حکم ہی نہیں رہے گا۔

ایک چھوٹا اپنے بڑے کے حضور، بہ صیغہء امر، جو عرض کرتا ہے، اُسے 'استدعا و التجا' کہتے ہیں۔ اور بڑے کی طرف سے اسکی تکمیل اطاعت نہیں کہی جاتی، بلکہ اسکی تعبیر اس بڑے کی کرم نوازی سے کی جاتی ہے۔ اور اتباع کہتے ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کو۔ اتباع حکم کی منتظر نہیں رہتی۔ اسکی نظر فعل پر ہوتی ہے۔ یعنی اگر کسی نے کوئی حکم دیا، آپ نے بجا آوری کر دی، تو یہ اطاعت ہوئی اور اگر کسی نے کچھ کیا، اس پر آپ نے بھی وہی کیا، تو یہ اتباع ہوئی۔۔۔ الغرض۔۔۔ اطاعت کی نظر حکم پر ہے اور اتباع کی فعل پر۔ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اطاعت ہوتی ہے مگر اتباع نہیں ہوتی۔۔۔ مثلاً: اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ (نماز کما حقہ ادا کرو) آپ نے اُس حکم کی بجا آوری کر دی تو اس کو اطاعت کہیں گے، لیکن اتباع نہ کہیں گے۔۔۔ یا۔۔۔ حضور ﷺ نے آپ کو بالفرض یہ حکم دیا کہ جاؤ فلاں کو بلا لاؤ، آپ بلا لائے، یہ اطاعت ہوگی، اتباع نہ ہوگی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اتباع ہوتی ہے لیکن اطاعت نہیں ہوتی۔۔۔ مثلاً: حضور نے صوم وصال رکھا۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ بھی رکھنے لگے، یہ اتباع ہے اطاعت نہیں۔

حضور کو چمڑے کا بے بال کا جوتا پہنتے دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی ایسا ہی جوتا پہننا شروع کر دیا (شمائلِ ترمذی) یہ اتباع ہے اطاعت نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کو دیکھا گیا

کہ اپنی اونٹنی ایک مکان کے گرد پھرا رہے ہیں۔ اسکا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا، مگر اتنا، کہ میں نے رسول ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، اسلئے میں نے بھی کیا۔ (اِمَام اَحْمد وَبزّار)
یہ بھی اتباع ہی ہے اطاعت نہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اتباع واطاعت ایک جگہ جمع ہو جاتی ہے۔۔۔ مثلاً: حضور نے فرمایا جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔ اس حکم کی بجا آوری میں صحابہ نے رسول کریم کو جس طرح نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا اسی طرح خود بھی نماز ادا کی۔ یہ اتباع بھی ہے اور اطاعت بھی۔۔۔ اطاعت اور اتباع کے درمیان اسی مذکورہ بالا نازک فرق کی وجہ سے نصوص میں خدا کی اطاعت کا تو حکم ملتا ہے لیکن اسکی اتباع کا حکم نہیں ملتا، ہاں رسول کریم کی اطاعت اور اتباع دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ آپکی اطاعت اور اتباع دونوں متصور ہے۔ کیونکہ گوش کائنات نے صرف رسول کریم کے اقوال ہی نہیں سنے، بلکہ چشم کائنات آپکے افعال کو بھی دیکھ چکی ہے۔

رہ گیا محبت کا معاملہ، تو وہ ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ محبت کی نظر نہ کسی کے حکم پر ہے اور نہ کسی کے فعل پر۔ اسلئے کہ محبت نام ہے طبیعت کے میلان کا۔ اور ظاہر ہے کہ میلانِ طبع نہ حکم کا منتظر رہتا ہے نہ فعل کا۔ حضور ﷺ کے بقیہ آبِ وضو پر صحابہء کرام کا ٹوٹ پڑنا اور اسے زمین پر گرنے نا دینا بلکہ ہاتھوں میں لے کر اپنے اپنے چہرے پر مَل لینا وغیرہ وغیرہ، ازراہِ اطاعت واتباع نہیں تھا، بلکہ بوجہء محبت تھا۔ مجھے اس وقت صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور اولیائے کاملین کی اُس داستانِ محبت کو نہیں چھیڑنا ہے جس میں صرف محبت کی کارفرمائیاں ہیں اور جنکا اطاعت و اتباع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ مجھے صرف اسی قدر سمجھانا ہے کہ محبت اور چیز ہے اور اطاعت و اتباع اور چیز۔

اچھا اب اس پر ایک دوسرے زاویے سے غور فرمائیے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے، لیکن کوئی باپ اپنے بیٹے کی اطاعت واتباع نہیں کرتا۔۔۔ یونہی۔۔۔ ہر نیک دل شوہر اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے، لیکن کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کی

اطاعت واتباع نہیں کرتا۔ اچھالیجئے اس سے بھی بھاری بھرکم بات سامنے لاکر رکھ دوں۔ میرے نبی کریم ﷺ کو اپنے شہزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یقیناً محبت تھی۔ جب حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تھا تو آپ نے انکو اپنی آغوش میں لیکر یہ بھی فرمایا تھا:

وَاِنَّابِكَ يَآاِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْكِى الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ
الْقَلْبِ وَلَانَقُوْلُ مَايُسْخِطُ الرَّبَّ

اور اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں، آنکھ اشکبار ہے، دل غمزدہ ہے۔
مگر ہم کوئی ایسی بات نہ کہیں گے جو رب کو ناپسند ہو۔

یونہی حضور ﷺ کو حضرات حسنین کریمین سے بے پناہ محبت تھی جسکا اظہار آپ نے اکثر فرمایا ہے۔۔۔۔ایک مقام پر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اُحِبُّهُمَا

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں

۔۔۔المختصر۔۔۔سرکارِ دوعالم ﷺ اپنی اولاد و بنات، ازواجِ مطہرات، آل واصحاب اور اپنی امت کے ہر فرد سے محبت فرماتے رہے۔ آیات واحادیث اس پر شاہد عدل ہیں۔ ان تمام آیات و احادیث کے نقل کی ضرورت نہیں، اسلیئے کہ اس بات سے کسی باشعور کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کو ان سب سے محبت تھی۔ قرآنِ کریم کی یہی ایک آیت کریمہ اس بات کو سمجھانے کیلئے کافی ہے۔

لَقَدْجَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌعَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْم ط

البتہ تحقیق تمہارے میں کا ایک پیغمبر تمہارے پاس آیا ہے تمہاری تکلیف
اس پر شاق گزرتی ہے اس کو تمہاری ہدایت واصلاح کی حرص ہے
وہ ایمان والوں پر شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

ان سب سے رسول کی محبت تو تسلیم کرلی گئی لیکن کسی عقل سلیم والے میں یہ جرأت نہیں کہ وہ کہہ دے کہ آنحضرت ﷺ ان میں سے کسی کے بھی مطیع وفرمانبردار۔۔۔یا۔۔۔متبع وپیرو تھے

۔۔۔۔اور آگے آیئے ارشادقرآنی ہے:

فَسَوۡفَ یَأۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ ط

عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کواسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت
کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہونگے۔

۔۔۔لیجئے کلام الٰہی نے واضح فرمادیا کہ خدا بھی اپنے نیک بندوں سے محبت فرماتا ہے۔مگر کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ خداان کی اطاعت۔۔۔یا۔۔۔اتباع کرتا ہے؟ ہرگز نہیں سوچ سکتا۔باور کیجئے کہ جو یہ کہے کہ خدا اُن سے، جنکا ذکر آیت میں ہے،محبت نہیں کرتا،وہ بھی کافر ہے اور جو یہ کہے کہ خدا انکی اطاعت۔۔۔یا۔۔۔اتباع کرتا ہے،وہ بھی کافر ہے۔

ان سب مثالوں نے اس حقیقت کو اظہر من الشّمس کر دیا کہ کبھی محبت ہوتی ہے مگر اطاعت واتباع نہیں ہوتی۔اب آیئے دیکھئے،ایک ایسا مقام ہے جہاں اطاعت تو ہے،لیکن محبت نہیں ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں کسی مطلق العنان ظالم و جابر بادشاہ کے جبری احکامات کی بجا آوری، جبرواکراہ کے ہجومِ فراواں میں آپ کو کرنی پڑتی ہے۔ یہاں بادشاہ کی اطاعت تو ہے مگر اسکی محبت نہیں۔

اسلام کا قانون ہر ہر نیک عمل میں،خواہ وہ ازقسم عبادت ہو۔۔۔یا۔۔۔ازقسم اطاعت واتباع۔اور ہر ہر صحیح عقیدے میں اخلاص کواسی لئے ضروری قرار دیتا ہے،تاکہ اسکے دائرے میں رہنے والی اطاعت، جبری اطاعت کے مشابہ نہ ہو جائے۔ اسلام پرخلوص عمل اور پرخلوص عقیدے کا داعی ہے۔ مذکورہ جبری اطاعت میں گواطاعت کی روح نہیں،لیکن پھر بھی تو بظاہر اطاعت ہی ہےاور جو اطاعت محبت سے خالی ہووہ بےرُوح نہ رہے گی تو اور کیا رہے گی؟

اور آگے آیئے اور یہ بھی دیکھتے چلئے کہ اتباع ہے مگر محبت نہیں۔آپ کا ایک کھلا ہوا دشمن ہے وہ آپکا اور آپ اسکا منھ تک دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔کسی دن اتفاقیہ اسکے بدن پر آپ نے

بالکل نئے طرز اور نئی تراش خراش کا ملبوس دیکھ لیا، جو آپ کو بھا گیا اور پھر آپ نے اسطرح کا ملبوس بنوانے میں اسکی اتباع کی۔ تو یہاں اتباع تو رہی، مگر محبت نہ رہی۔ آج کتنے مسلمانوں نے عیسائیوں کی تہذیب، انکا طرزِ معاشرت، انکا لباس، انکی زبان کو اپنا لیا ہے مگر میرا یقین کہتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اتباع ہی اتباع ہے۔ رہ گئی محبت، تو کوئی مسلمان، عیسائی اور عیسائیت سے کیوں محبت کرنے لگا؟ اس کلیہ سے وہ لوگ قطعی طور پر خارج ہیں جو شروع ہی سے مسلمان نہ ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ کبھی رہے ہوں، لیکن اب نہیں رہے۔

ان تمام مناظر کو دیکھ لینے کے بعد اب آیئے اس منظر کو دیکھ لیجئے، جہاں محبت بھی ہے اطاعت بھی ہے اور اتباع بھی۔ ویسے تو تمام مومنین، صالحین کی زندگی یہ منظر پیش کرتی ہے لیکن ان میں صحابہ کرام کی زندگی سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں، رسول کریم کی بارگاہ میں جنکا خلوص، جنکی محبت اور جنکی اطاعت واتباع ضرب المثل بن گئی۔۔۔ المختصر۔۔۔ اس پوری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ محبت اور شئے ہے، اطاعت اور شئے، اور اتباع اور شئے ہے۔ اور محبت کو اطاعت واتباع کی عین نہیں، مگر یہی وہ جوہر لطیف ہے جو پر خلوص اطاعت و اتباع پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ خیال رہے کہ اطاعت واتباع کے مابین میں نے جو فرق دکھایا ہے، یہ انکے حقیقی مفہوم پر نظر رکھتے ہوئے ہے، ورنہ کبھی کبھی لفظ اتباع کا استعمال مجازاً اطاعت کے معنی میں بھی کرلیا جاتا ہے اور کبھی اتباع بول کر ایک ایسا مفہوم مراد لیتے ہیں جو اطاعت واتباع دونوں کے حقیقی مفہوم کو شامل ہوتا ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اطاعت کو اتباع کہ معنی میں لینا۔۔۔ یا۔۔۔ اطاعت میں اتباع کا معنی ملحوظ رکھنا، بطور مجاز ہی ہوسکتا ہے۔

۱۵ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔۔۔ امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حضور ﷺ کی محبت کا ثواب

۱۶ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَتَی السَّاعَۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔۔۔ قَالَ مَااَعْدَدْتَّ

لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَّلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلٰكِنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴿شفاءشریف﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ،اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے۔عرض کیا میرے پاس اس کیلئے نہ نمازوں کی کثرت ہے، نہ روزہ وصدقہ کی،لیکن میں اللہ اور اسکے رسول کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا تو اسکے ساتھ ہے جسکو تو محبوب رکھتا ہے۔

هَاجَرْتَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَاوِلْنِيْ يَدَكَ اُبَايِعْكَ وَلَنِيْ يَدَهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّكَ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ﴿شفاءشریف﴾

حضرت صفوان بن قدامہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم کی طرف ہجرت کی پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنا دست مبارک دیجئے، میں آپ کی بیعت کروں۔آپ نے اپنا دست مبارک بڑھا دیا۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں۔فرمایا مرد جس سے محبت رکھے اسکے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت قاضی عیاض،شفاءشریف میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت انس نے حضور ﷺ سے لفظاً روایت کیا ہے اور یہی حدیث حضرت ابوذر سے معنیً مروی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ فَقَالَ مَنْ اَحَبَّنِيْ وَاَحَبَّ هٰذَيْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا كَانَ مَعِيَ فِيْ دَرَجَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ ﴿شفاءشریف﴾

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جو شخص مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں سے اور انکے

والدین سے محبت کرے، وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجے میں ہوگا۔

(میرے خیال میں اس حدیث میں معیت سے مراد 'معیت تشریف وتکریم' ہے)۔

مروی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ کو دل میں یاد رکھتا ہوں۔ جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور کی زیارت نہیں کر لیتا، مجھے صبر وقرار نہیں آتا۔ اور جب میں اپنی موت اور آپکی جدائی، یعنی طبعی موت کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپکی زیارت نہ کرسکوں گا۔

۔۔۔۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا۔

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے انکا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین کا۔ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

۔۔۔پھر آپ نے اس مرد کو طلب فرمایا اور اُس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ ﴿شفاء شریف﴾

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کی بارگاہ میں آیا، اُس نے نظر جما کر یعنی ٹکٹکی باندھ کر آپ کو دیکھنا شروع کیا، حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل نہ ہوا۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان میں آپ کی طرف نظر کرنے سے حظ حاصل کرتا ہوں۔ جب آپ کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ مقام رفیع عطاء فرمائیگا (اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟)

۔۔۔۔اس پر یہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ﴿شفاء، مواہب﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ (شفاء)

جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی محبت
جو
ائمہ ءاسلاف سے منقول ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَشَدِّ النَّاسِ (امتی) لِیْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِیْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَ اٰئِنِیْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ ومِثْلُهٗ عِنْ اَبِیْ ذَرٍّ

﴿شفاء شریف﴾

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بہت سے آئیں گے جو مجھ سے شدید محبت کرنے والے ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل و مال کے بدلے میں میری زیارت ہوسکے۔۔۔ اسی کے مثل حضرت ابوذر سے بھی مروی ہے۔

حضرت عمر کی محبت کا حال مفصل گذر چکا، جنھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ، آپ مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، حضرت عمرو ابن العاص کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا۔

حضرت عبدہ بنت خالد ابن معدان فرماتی ہیں کہ جب انکے والد، حضرت خالد اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنا شوق اور آپ کے صحابہ، مہاجرین و انصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لیکر کیا کرتے اور کہتے:

هُمْ (مِنهُمْ) اَصْلِیْ وَفَصْلِیْ وَاِلَیْهِمْ یَحِنُّ قَلْبِیْ طَالَ شَوْقِیْ اِلَیْهِمْ فَعَجِّلْ رَبِّ قَبْضِیْ اِلَیْکَ حَتّٰی یَغْلِبَهُ النَّوْمُ ﴿شفاءشریف﴾

یہ لوگ میری اصل ونسل ہیں، یعنی حسب ونسب ہیں۔ انکی طرف میرا دل میلان کرتا ہے۔ انکی طرف میرا شوق طویل غیر منقطع ہے۔ اے میرے رب میری روح اپنی طرف جلدی قبض فرما۔ یہی کہتے کہتے اُن پر نیند غالب آجاتی۔

۔۔۔۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ الْاِسْلَامُ اَبِیْ طَالِبٍ کَانَ اَقَرَّ بِعَیْنِیْ مَنْ اِسْلَامِهٖ یَعْنِیْ اَبَاهُ اَبَاقُحَافَةَ وَذٰلِکَ اَنَّ اِسْلَامَ اَبِیْ طَالِبٍ کَانَ اَقَرَّ بِعَیْنِکَ۔

مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ابوطالب کا اسلام لانا انکے یعنی اپنے والد ابوقحافہ کے ایمان لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسلئے کہ ابوطالب کا اسلام لانا آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

۔۔۔۔اسی سے ملتا جلتا کلام حضرت فاروق اعظم کا ہے جنہوں نے ایک موقع پر حضرت عباس سے یہ کہا تھا:

اَنْ تُسْلِمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یُّسْلِمَ الْخَطَّابُ لِاَنَّ ذٰلِکَ اَحَبُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ ﴿شفاءشریف﴾

میرے نزدیک آپکا اسلام لانا زیادہ عزیز ہے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے۔ اسلئے کی آپ کا اسلام لانا خود رسول کو بہت محبوب ہے۔

ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کے باپ، بھائی اور شوہر، سب کے سب رسول اللہ ﷺ کی محبت میں غزوہء اُحد میں شہید ہوگئے تھے، اُس وقت اس نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ آپ بحمدہٖ بخیریت ہیں، جیسا کہ تم چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تا کہ میں آپکو دیکھ لوں، جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ:

کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ۔ ﴿شفاءمواہب﴾

آ پکی سلامتی کے بعداب مجھے ہر مصیبت آسان ہے، (مجھے انکی پرواہ نہیں)

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ حضرات کی محبت کیسی تھی؟

۔۔۔۔آپ نے فرمایا:

کَانَ وَاللّٰہِ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِنْ اَمْوَالِنَاوَاَوْلَادِنَاوابَآئِنَا
وَاُمَّھَاتِنَاوَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِعَلَی الظَّمَاءِ
﴿شفاء ، مواہب﴾

خدا کی قسم آپ ہمیں مال اور اپنی اولاد اور ماں باپ
اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی بہت زیادہ محبوب تھے۔

حضرت زید ابن اسلم سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہرہ دیتے ہوئے نکلے تو ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت کو اُون دھنتے ہوئے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہوئے سنا:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ قَدْ کُنْتَ قَوَّاماً بَاکِیاً بِالْاَ سْحَارِ یَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارٌ ھَلْ تَجْمَعُنِیْ وَحَبِیْبِیَ الدَّارَ۔ ﴿شفاء﴾

حضور ﷺ پر نیکوں کا درود ہو، آپ پر اچھے اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے اور صبح کو رونے والے تھے۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا، حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔ کیا تو (اے میرے خدا) مجھ کو اور میرے محبوب (نبی کریم) کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا۔

۔۔۔۔یہ سن کر حضرت عمر وہیں بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ یہ واقعہ طویل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سوگیا (سن ہوگیا) کسی نے ان سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہیگا۔

فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاهُ فَا نْتَشَرَتْ ﴿شفاء﴾۔۔

توانھوں نے زور سے کہا یَا مُحَمَّدَاهُ

۔۔۔اسی وقت انکا پاؤں کھل گیا اور اسکی خوابیدگی جاتی رہی۔

اسی طرح جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت آیا تو انکی بیوی نے کہا، وَاَحُزَنَاهُ (ہائے افسوس) اسی وقت حضرت بلال نے فرمایا:

وَاَطُرَبَاهُ (بَلُ وَاَطُرَبَاهُ) غَدًا اَلْقِیُ الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًاوَّحِزُبَهٗ۔ (وصحبه)

خوشی ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور ﷺ سے اور آپکے اصحاب سے ملاقات کرونگا۔

شفاء شریف میں ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ قبر اطہر کو میرے لئے کھول دیجئے۔ آپ نے اس کیلئے کھول دیا تو وہ رونے لگی یہاں تک کہ وہیں انتقال کر گئی۔ فتح مکہ سے پہلے جس وقت اہل مکہ نے حضرت زید ابن الدثنہ کو حرم سے نکالا کہ انکو قتل کر دیں، تب ابوسفیان ابن حرب نے (جو ابھی حالت کفر میں تھے) اُن سے کہا کہ اے زید میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، سچ سچ بتانا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد (ﷺ) تیری جگہ ہوں اور اُن کی گردن ماری جائے؟ اس پر حضرت زید نے جواب دیا کہ:

وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًاآلْاٰنَ فِیْ مَکَانِهِ الَّذِیْ هُوَ فِیْهِ تُصِیْبُهٗ شَوُکَةٌ گوَاِنِّیُ جَالِسٌ (وَاَنَافِیُ اَهْلِیُ)۔ (فِیُ اَهْلِیُ) ۔ ﴿شفاء مواہب﴾

قسم خدا کی مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے حضور اس وقت جہاں جلوہ افروز ہوں وہیں پر آپ کے پائے اقدس میں کانٹا چبھ جائے اور میں یوں ہی بیٹھا رہ جاؤں۔

۔۔۔۔یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

مَا رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا یُحِبُّ اَحَدًا کَحُبِّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا۔ ﴿شفاء مواہب﴾

میں نے آج تک کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جو کسی کو اتنا محبوب رکھتا ہو جس قدر محمد (ﷺ) کے اصحاب اُن کو محبوب رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتی تو اس سے اللہ کی قسم لیتے اور حلفیہ کہلاتے کہ وہ کہے کہ میں نہ تو اپنے خاوند کی دشمنی کی وجہ سے نکلی ہوں اور نہ ہی کسی زمین کی طمع میں۔ میں بلکہ صرف اللہ اور اسکے رسول کی محبت میں نکلی ہوں۔ ﴿شفاء﴾

حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ حضرت ابن زبیر ؓ کے شہید ہو جانے کے بعد انکے پاس ٹھہرے اور ان کیلئے استغفار کی اور کہا کہ خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزہ دار، شب بیدار اور اللہ اور اسکے رسول کی محبت رکھنے والے تھے۔ ﴿شفاء﴾

حضور سے محبت کی پہچان

﴿ماخوذ از شفاء شریف﴾

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اُسے چن لیتا ہے اور اسی کی موافقت کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اگر یہ بات نہیں تو پھر وہ جسکی محبت کا دم بھرتا ہے اسکی محبت میں صادق نہیں۔ لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں سچا وہی ہے جس پر اسکی علامتیں ظاہر ہوں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ آپ کی پیروی کرے، آپ کی سنت کا عامل ہو۔ آپ کے افعال و اقوال کی اتباع کرے، آپ کے حکم کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے اور عسرت وعشرت، مسرت و کربت، ہر حال میں آپ کے آداب سے موعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اور اس علامت کی حجت و دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط۔

اے محبوب تم فرما دو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرے
فرمابردار ہو جاؤ اللہ تم کو دوست رکھے گا۔

۔۔۔اور یہ بھی آپ کی محبت کی علامت ہے کہ جس کو آپ نے شروع فرمایا اور جس پر عمل کی ترغیب وتنبیہ فرمائی اس کو اپنی نفسانی وشہوانی خواہشات پر ترجیح دے۔

۔۔۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴿سورۃ الحشر﴾

اور جنھوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا، دوست رکھتے ہیں اُنھیں جو انکی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ اُنھیں شدید محتاجی ہو۔۔(الحشر)

خدا کی رضامندی چاہنے کیلئے بندوں کو ناراض کر دینا بھی رسول خدا کی محبت کی علامت ہے (اسلئے کہ خدا کی رضا کیلئے بندوں کو غضبناک کر دینا یہ بھی رسول کریم کی سنت ہے اور آپ کی سنت کو زندہ رکھنا یقیناً محبت کی پہچان ہے):

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحْيٰى (اَحَبَّ) سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ

حضرت سعید ابن مسیّب کہتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند! اگر تم سے ہو سکے کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں گذرے کہ تمہارا دل ہر ایک کی کدورت سے پاک وصاف ہو تو ایسا ضرور کرو۔ اسکے بعد پھر مجھ سے فرمایا اے فرزند! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں

ہوگا۔

لہٰذا اب جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا تو وہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت میں کامل ہوگا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہوگی، لیکن وہ محبت کے نام سے خارج نہ ہوگا۔ اسکی دلیل حضور اکرم ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو اس شخص کے بارے میں فرمایا تھا جس کو شراب پینے پر حد جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا کہ تعجب ہے کہ اس کو ایسی حالت میں لایا گیا، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَاتَلْعَنْهُ فَاِنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط

اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت رکھتا ہے۔

۔۔۔علامات محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل بکثرت کرے، اسلئے کہ:

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَهٗ۔۔۔

جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر بکثرت کیا کرتا ہے

۔۔۔انھیں علامت محبت میں سے آپ کی بقاء اور آپ کے دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے، اسلئے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ حدیثِ اشاعرہ میں ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو یہ رجز پڑھتے تھے:

غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَهٗ ۔۔

کل ہم اپنے پیاروں یعنی حضور اور صحابہ سے ملیں گے۔

حضرت بلال ﷜ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت بلال ہی کے کلام کے مثل حضرت عمار ﷜ نے بھی اپنے قتل ہونے سے پہلے فرمایا تھا۔ حضرت خالد بن معدان کا بھی واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔ آپ سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ محبّ آپ کے ذکر جمیل کی کثرت کے ساتھ آپ کے ذکر کے وقت کمالِ تعظیم و توقیر بجالائے اور آپ کے نام نامی اور اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز و انکسار کا اظہار کرے۔

ابو اسحٰق تحیبی فرماتے ہیں کے نبی کریم کے وصال کے بعد صحابہء کرام جب آپ کا ذکر

جمیل کرتے تو بڑی ہی عاجزی اور فروتنی سے کرتے اور انکے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، اور رونے لگتے۔ یہی حال اکثر تابعین کا تھا۔ یہ کیفیت اُن میں سے کسی پر تو آپ سے محبت اور شوق کی بناء پر وارد ہوتی اور کسی پر آپ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے انھیں علاماتِ محبت میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ جس سے محبت فرمائیں ۔۔۔ نیز ۔۔۔ جو آپ کے آثار ومنسوبات ہوں ۔۔۔ مثلاً: آپ کی اہل بیت اور آپ کے اصحاب، خواہ وہ انصار سے ہوں یا مہاجرین سے، اُن سب سے محبت کی جائے اور انکی عداوت کرنے والوں سے عداوت اور ان سے بغض ونفرت رکھنے والوں اور اُنھیں برا بھلا کہنے والوں سے بغض ونفرت رکھی جائے۔ اسلئے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے وہ اسکو بھی محبوب رکھتا ہے جس سے اسکا محبوب محبت کرے۔ بیشک حضور ﷺ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا ط

اے خدا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی انکو محبوب فرما۔

۔۔۔ ایک روایت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ وَاُحِبُّ مَنْ یُّحِبُّہٗ ط

اے خدا میں ان سے محبت رکھتا ہوں، پس جو ان سے محبت رکھے، اسے بھی محبوب رکھتا ہوں۔

۔۔۔ نیز ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ
وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰہَ ط

جس نے ان دونوں سے محبت کی یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی بیشک اس نے اللہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی یقیناً اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی بیشک وہ اللہ کا دشمن ہے۔

۔۔۔ نیز ارشاد فرمایا:

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غُرُضًا (عُرُضًا) بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ

اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (اللّٰہ)

ہوشیار، خبردار، میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ میرے بعد اُنکو اپنی اغراض کا نشانہ وآلہ کار نہ بنانا۔ پس جو ان سے محبت رکھتا ہے، وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بناء پر ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بناء پر ہے۔ جس نے انکو تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ کو غضبناک کیا اور جس نے اللہ کو غضبناک کیا عنقریب اللہ اسکو اپنی گرفت میں لے گا۔

۔۔۔۔حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّھَابِضْعَۃُ مِّنِّیْ یُغْضِبُنِیْ مَااَغْضَبَھَا (بغضبھا)

یہ میرا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اس کو غصے میں لاتی ہے، وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

۔۔۔۔حضرت اسامہ بن زید سے متعلق ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اَحِبِّیْہِ فَاِنِّیْ اُحِبُّہٗ

اسامہ بن زید سے محبت وشفقت کرو کیونکہ مین بھی اُس کو محبوب رکھتا ہوں۔

۔۔۔۔نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

آیَۃُالْاِیْمَانَ حُبُّ الْاَنْصَارِوَآیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُھُمْ۔

انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے دشمنی نفق کی علامت ہے۔

۔۔۔۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

مَنْ اَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ

جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بناء پر کی۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔ یہ بات بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی وہ ہر اُس چیز سے محبت کرے گا جسکو اس کا وہ محبوب عزیز رکھتا ہوگا۔ بالکل یہی سلف صالحین کی سیرت طیبہ تھی، یہاں تک کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں بھی اپنے محبوب ہی کی پسندیدگی کو اپنی پسندیدگی کا معیار قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ

سالن کے پیالے میں کدو کی قاشیں تلاش فرمایا کرتے ۔تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔

حضرت امام حسین ابن علی مرتضٰی، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابن جعفر ﷺ حضرت سلمٰی کے پاس آئے، اُن سے انھوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ بسنتی رنگ کی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے، کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہی نعلین اور ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔

انہی علامات محبت میں سے ایک یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ کی سنت کا مخالف ہو اور دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو، اور ہر مخالف شریعت بات کو سختی سے گراں جانے اور برا سمجھے۔۔۔۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْماً یُّوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔(مجادلہ)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں

ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

بلاشبہ یہی کیفیت آپ کے صحابہ کرام کی تھی کہ انھوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی وخواہش پر اپنے باپ بیٹوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔اور ان سے لڑائی مول لے لی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابیٔ کے بیٹے حضرت عبداللہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

لَوْ شِئْتَ لَاَ تَیْتُكَ بِرَاْسِهٖ

اگر آپ کی مرضی ہو تو اسکا، یعنی اپنے باپ کا،

سر کاٹ کر آپ کی بارگاہ میں پیش کردوں۔

۔۔۔۔اور انہی علاماتِ محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے قرآن سے محبت رکھے۔ کیونکہ آپ نے اس سے ہدایت حاصل فرما کر سب کی ہدایت فرمائی اور اسی کے موافق آپ کے

اخلاق کریمہ تھے، یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ آپ کا خُلق قرآن ہے۔

قرآن سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسکی تلاوت کرے، اس پر عمل کرے، اسکو خوب سمجھے، اسکی سنت کو پسند کرے اور اسکے حدود سے متجاوز نہ ہو۔

حضرت سہیل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے محبت کرے اور قرآن سے محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ نبی کریم سے محبت کرے اور آپ سے محبت کرنے کی پہچان یا علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت سے محبت کرے اور آپ کی سنت سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ قوت لایموت اور توشہء آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے، تاکہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے، سوائے قرآن کے کیونکہ اگر اسکی محبت قرآن سے ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے۔ اور آپ کی علاماتِ محبت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے، اور ان کو اچھی بات بتائے، اور انکی خیر خواہی کی کوشش کرے اور انکے نقصانات کو دور کرے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر رؤف ورحیم تھے۔ اور آپ سے کمال محبت کی پہچان یہ ہے کہ چاہنے والے کا مدعا دنیا میں 'زہد' ہو اور وہ 'فقر' کا خوگر ہو ---نیز---فقراء کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے۔

----حضور ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِنَّ الْفَقْرَ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ مِنْکُمْ اَسْرَعُ مِنَ السَّیْلِ مِنْ اَعْلَی الْوَادِیْ اَوِالْجَبَلِ اِلٰی اَسْفَلِهٖ

جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا، اسکی طرف 'فقر' اس بھی زیادہ تیز رفتاری سے آئیگا، جس رفتار سے سیلاب بلند وادی یا پہاڑ سے نیچے کی طرف آتا ہے۔

----حضرت عبداللہ ابن مغفل کی حدیث میں ہے:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ اِنِّیۡ اُحِبُّکَ فَقَالَ انۡظُرۡ مَاتَقُوۡلُ قَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیۡ (اِنِّیۡ وَاللّٰہِ) اُحِبُّکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ اِنۡ کُنۡتَ تُحِبُّنِیۡ فَاَعِدۡ لِلۡفَقۡرِ تجۡفَافاً ط ۔۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۔آپ نے فرمایا: غور کر کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، اسی طرح تین مرتبہ کہا۔آپ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو 'فقر' کیلئے سامان (صبر) کی تیاری کرو۔

۔۔۔۔اسکے بعد حضور ﷺ نے اسی کے مثل ارشاد فرمایا جو حضرت ابو سعید خدری ﷛ کی حدیث میں ہے۔

فائدہ۔۔١٦ کے تحت شفاء شریف کے حوالے سے۔۔۔نیز۔۔۔اس سے پہلے 'بَابُ حُبِّ النَّبِیِّ' میں اور نبی کریم سے صحابہ وتابعین اور مومنین وصالحین کی محبت سے متعلق میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، وہ ایک قطرہ ہے اس بحر نا پیدا کنار کا، جو کتب احادیث وسیر کے صفحات پر موجیں مار رہا ہے۔مگر چونکہ یہ مقام اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ،اسلئے اسی پر اکتفاء کر رہا ہوں۔۔۔۔

اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنَا حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیۡبِکَ وَحُبَّ مَنۡ یُّحِبُّہٗ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنَا اِلٰی حُبِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ط

''گذارش''

اس ادارے کی سب سے اہم اشاعت ''معارف القرآن'' ہے جوکہ قرآن حکیم کا اردو میں نہایت شاندار ترجمہ ہے۔ اور ہماری دوسری شائع کی ہوئی کتابیں بلا ہدیہ ہیں جوکہ صرف ڈاک کا خرچہ ارسال کر کے ہم سے منگوائی جاسکتی ہیں۔ گذارش ہے کہ دین کا زیادہ سے زیادہ علم خود بھی حاصل کریں اور اپنے اہل خانہ کو بھی بہم پہنچائیں۔ اُردو، انگلش اور دوسری زبانوں میں اسلامی لٹریچر فراہم کرنا اس ادارے کا ایک اہم مقصد ہے۔ ہمارے دیئے گئے نمبروں پر فوراً ہم سے رابطہ قائم کیجئے۔

ادارہ

'تصدیق نامہ'

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب بنام

'محبت رسول ﷺ روحِ ایمان'

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

Syed Mohd. Azmat Ali Noor
Research & Registration Officer Auqaf
Sind, Karachi.

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

محمد اللہ وسایا خان بلوچ
مستند پروف ریڈر
وزارت مذہبی امور
پاکستان اسلام آباد
515 پونٹ آباد حیدر آباد

گلوبل اسلامک مشن، انک